حُجُّوا كَمَا حَجَجْتُ

(فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الحدیث جیسا میں نے حج کیا ویسا ہی کرو)

یعنی

"العمدة شرح الزبدة"

جس میں

حضرت امام ربانی رأس المحدثین و الفقہاء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے رسالہ "زبدة المناسک" کی شرح مصنفہ مولانا شیر محمد صاحبؒ "عمدة المناسک" کو آسان ترتیب کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔

مع تفہیمات مفیدہ

مرتبہ

محمد اقبال مہاجر مدنی

ناشر

عمران اکیڈمی

۴۰/بی اردو بازار ۰ لاہور ۰ پاکستان

حصہ اوّل کے مخصوص مضامین

- حج کے مناسک کی اہمیت اور فقہی مسائل حج کا محبت و آداب سے جوڑ ص ۱۸ تا ص ۲۵
- مسنون حج کے مسائل میں گمراہ کن مغالطہ ص ۲۵ تا ص ۳۴
- ائمہ اربعہ کے حق ہونے کی آڑ میں نفس پرستی ص ۳۴ تا ص ۵۰
- آداب و محبتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم میں صحابہ کرامؓ کا اسوہ ص ۵۰ تا ص ۷۴
- ایذاء حبیبِ کبریا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا موجبِ خسران ہونا، اور حصولِ فیض کا آسان طریقہ۔ ص ۷۴ تا ص ۱۰۷
- زیارت کی اجازت و شرعی موانع کی صورت میں سچی محبت ص ۱۰۷ تا ص ۱۱۲

حصۂ دوم مناسک کے مسائل مع فضائل و حکم

ماخوذ از ارکانِ اربعہ — کاروانِ حج — آپ حج کیسے کریں
آپ حج ایسے کریں — ترجمان السنۃ — مواعظ حضرت تھانویؒ
فضائلِ حج وغیرہ — اور مسائل معلم الحجاج — زبدۃ المناسک
ارشاد الساوی وغیرہ —

مکمل فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۷	کتاب پر تنقید اور مقصد تالیف کی وضاحت	۱
۸	یہ کتاب کن لوگوں کے لیے ہے	۲
۱۲	حج کی فرضیت، تاکید اور حج نہ کرنے کی وعید	۳
۱۳	حج کی فضیلت	۴
۱۴	حج کی حقیقت	۵
۱۵	افعالِ حج — احرام، منیٰ، عرفات، رمی وغیرہ	۶
۱۶	مناسکِ حج کی ادائیگی میں مقبول اور معتبر عشق کی مشق	۷
۱۷	ضروری تنبیہ	۸
۱۷	حج کے آداب اور مناسک کی اہمیت	۹
۲۰	حج میں حکم عدولی کے گناہ کی نوعیت	۱۰
۲۳	حدودِ حرم میں گناہ	۱۱
۲۰	حالتِ احرام میں گناہ	۱۲
۲۱	قابلِ غور	۱۳
۲۵	آدابِ حج	۱۴
۲۵	مسنون حج اور اس کے مطلب میں گمراہ کن مغالطہ	۱۵
۲۶	قبولیت کی دو لازمی شرطیں	۱۶
۲۸	اتباعِ سنّت میں حضرت سہارنپوریؒ کا واقعہ درج	۱۷

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۸	اِتباعِ سُنت میں حضرت شیخؒ کا واقعہ درج	۲۹
۱۹	گمراہ کن مغالطہ	۳۱
۲۰	خوارج کا نعرہ اور حضرت علیؓ کا جواب	۳۲
۲۱	سلف کا اعتماد اور ان کی اتباع	۳۳
۲۲	اجتہاد کا حق اور اختلافِ ائمہؒ کی حقیقت	۳۴
۲۳	چاروں امام حق پر ہیں اور تقلید شخصی کی ضرورت	۳۶
۲۴	اِتباعِ ھَوا کا نتیجہ	۳۷
۲۵	فصل دوم: حج وعمرہ	۴۱
۲۶	عمرہ کرنے کا طریقہ	۴۲
۲۷	حج	۴۴
۲۸	شرائط وجوب، شرائط وجوب ادا وغیرہ	۴۵
۲۹	حج کرنے کا طریقہ	۴۶
۳۰	نقشہ افعال حج	۴۷
۳۱	نقشہ افعال قِران	۴۹
۳۲	نقشہ افعال تمتع	۵۰
۳۳	حج بدل	۵۰
۳۴	حج نذر ۔ حج بدل	۵۱
۳۵	فصل سوم: رحلہ سعیدۃ الی المدینۃ المنورہ	۵۳
۳۶	فضائل مدینہ منورہ	۵۴
۳۷	فضائل مسجد نبوی	۵۴

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۵۴	ریاض الجنۃ	۳۸
۵۵	فضائل زیارت قبر شریف	۳۹
۵۷	آدابِ زیارت	۴۰
۵۷	آداب ومحبت کے بارے میں ضروری وضاحت	۴۱
۵۸	اپنی ذات کے لیے کسی سے ظلم کا بدلہ نہ لینا	۴۲
۵۹	امرِ حق میں غصّہ کی حالت	۴۳
۶۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند کرنا	۴۴
۶۴	محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۴۵
۶۸	صلح حدیبیہ میں محبت کے واقعات	۴۶
۶۸	حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی محبت	۴۷
۶۹	جنگِ اُحد میں محبت کے واقعات	۴۸
۶۹	قبر شریف کی زیارت کی تاب نہ لاسکنا	۴۹
۷۰	حضرت علیؓ کا بیان	۵۰
۷۱	حضرت زیدؓ کے سُولی دینے کا واقعہ	۵۱
۷۲	حضرت بلالؓ کے اذان دینے پر حالت	۵۲
۷۳	عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۵۳
۷۴	بہت خطرے اور سوچنے کی بات	۵۴
۸۰	داڑھی منڈے کو دیکھ کر ناگواری سے چہرۂ انور پھیر لینا، اور اظہارِ غصہ	۵۵
۸۶	پھر کیا ہم رُوسیاہ زیارت سے محروم ہی رہیں؟	۵۶
۸۸	مشکل کا آسان حل	۵۷

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۵۸	بار بار گناہ کرنا اور توبہ کرنا	۹۰
۵۹	متقی حضرات کے لیے لمحۂ فکریہ	۹۴
۶۰	حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کا ارشادِ گرامی	۹۸
۶۱	معذرت (حج وزیارت کے موضوع کے علاوہ مضامین کا کتاب میں آنا)	۹۹
۶۲	حجاج کا کثیر الوقوع بھاری نقصان	۱۰۳
۶۳	حج وزیارت کی اجازت	۱۰۷
۶۴	سچی محبت	۱۰۷
۶۵	خلوصِ نیّت	۱۱۰
۶۶	حضرت سہارنپوریؒ کا سفرِ زیارت۔	۱۰۸

کتاب پر تنقید اور مقصدِ تالیف کی وضاحت اور مشورہ

میں ہی کرتا ہوں اپنا گلہ۔ تو نہ سُن غیروں کی بات
بس یہی کہتے ہیں وہ۔ اور کیا کہنے کو ہیں

(۱) اس کتاب کا بڑا حصہ (حصہ دوم) جو فقہی مسائل کا ہے وہ عوام و خواص دونوں کے لیے حج کے متعلق نہیں، یعنی یکساں مفید نہیں، مفتی حضرات اور علماء کرام کے لیے تو ہے ہی نہیں، بلکہ یہ حقیر کوشش ان حضرات کی تصحیح اور مشورے کی محتاج ہے۔

(۲) اسی طرح یہ کتاب محض اُردو پڑھ سکنے والے لیکن دینی کتب سے مناسبت نہ رکھنے والے خصوصاً حج کی عام معلومات سے بے تعلق حضرات کے لیے بھی نہیں ہے کیونکہ یہ تجربہ ہوا ہے کہ یہ عوام حج کے مسائل کی مفصل کتاب سے مسئلہ نہیں نکال سکتے اور مسئلہ غلط سمجھتے ہیں، کیونکہ بہت سے مسائل کا تعلق اور اس کی دوسری شرائط دوسرے مقام پر ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ عدم مناسبت کی بناء پر غلط فہمی کی دیگر وجوہات بھی ہیں، ان حضرات کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ ہر مسئلہ کو کسی عالم دین سے پوچھیں، اگر اُن کے پاس معلم الحجاج جیسی معتبر کتاب ہو اور پڑھ بھی لی ہو تو بھی وہ کتاب کسی عالم ہی کو دکھلا کر مسئلہ سمجھیں، کیونکہ یہ ایک فنی چیز ہے، یہاں محض اُردو دانی، ذہانت بلکہ دوسرے علوم میں مہارت بھی کام نہیں دیتی۔ علماء کی راہنمائی میں لکھوالے بالکل اَن پڑھ کا حج بھی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ حج میں ایسے ہی حضرات کی کثرت ہوتی ہے، ان کے لیے چھوٹی چھوٹی لیکن مفید اور معتبر بیشمار کتابیں چھپ چکی ہیں ان میں سب سے بہتر احقر کے خیال میں حضرت مولانا نعمانی کی کتاب

"آپ حج کیسے کریں" اور حضرت مولانا ادریس صاحب کی کتاب "آپ حج ایسے کریں" اور مختصر ضروری مسائل میں "خلاصہ زبدۃ المناسک" (حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ) اور مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ کی "احکام الحج" اور "راہنمائے حج" حج و عمرہ وغیرہ ہیں۔ اور فضائل و آداب میں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی "فضائل حج" ہے۔

(۳) اس کتاب میں حج کی بہت ضروری باتیں، خلوصِ نیت، آداب سفر، مکہ مدینہ کے معلومات، حج سے متعلق ضروری اِصطلاحی الفاظ کی تشریح اور حج کے مقامات کی تشریح بھی نہیں ہے۔ اسی طرح حج کے مناسک میں منصوص اور متفق علیہ مسائل اور مناسک کی ادائیگی کا عام طریقہ بھی وضاحت سے نہیں ہے بلکہ مختصر ہے۔ یہ سب چیزیں بھی اگرچہ بہت اہم ہیں اور بنیادی ہیں، لیکن یہ سب عام چھوٹی بڑی کتابوں میں ہوتی ہیں، ان کے سمجھنے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہوتی، خصوصاً عام پڑھے لکھے دیندار حضرات کو معلوم ہوتی ہیں خصوصاً حج سے دلچسپی رکھنے والے یا ایک دفعہ حج و عمرہ کر لینے والوں کو معلوم ہوتی ہیں، پھر حج کا کوئی کام اکیلے تو کرنا نہیں ہوتا، مجمع کثیر ہوتا ہے، اکثروں کو طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ ان بڑے بڑے مسائل میں زیادہ اختلاف بھی نہیں ہوتا۔ فکر والا ساتھیوں سے پوچھ سکتا ہے کہ آج کیا کرنا ہے۔ چار ورق کا عام رسالہ "حج کے پانچ دن" ہی کافی ہے۔ اور بے فکر، خود رائی والے متکبر کا کوئی علاج نہیں۔

پھر اس کتاب کا کیا فائدہ اور یہ کن لوگوں کے لیے ہے؟

(۴) اس کتاب میں مناسکِ حج کے متعلق صرف کثیر الوقوع پوچھنے سمجھنے والے فقہی مسائل درج ہوں گے جو چھوٹی کتب میں ہوتے ہی نہیں۔ یہ صرف "زبدۃ المناسک" اور "معلم الحجاج" سے اور بعض نئے مسائل اہل حق مفتی حضرات کے فتوے سے درج ہوں گے جن کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور غیر علماء کو "زبدہ" یا "معلم الحجاج" سے مسئلہ معلوم کرنے میں دشواری ہوتی ہے۔

لیکن اس کتاب میں جدید ترتیب کی وجہ سے پڑھے لکھے دینی مناسبت رکھنے والے حضرات کے لیے انشاء اللہ آسانی ہوگی۔ اور حج میں ایسے حضرات کی تعداد بھی کافی ہوتی ہے وہ حضرات خود اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور دوسروں کی مدد کر سکتے ہیں کیونکہ وقت پر ہر جگہ عالم تو مل نہیں سکتے۔

اس کتاب میں علمی مباحث اور مذاہب کا اختلاف بھی نہیں ہوگا۔ اس طرح مذکورہ بالا بہت سے امور حذف ہو جانے کی وجہ سے کتاب کا حجم بڑھے بغیر تقریباً تمام مشکل مسائل آجائیں گے۔

اس کتاب کی پہلی فصل بھی ان ہی مسائل کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ آگے مسائل کے بیان میں بھی یہ کوشش رہے گی کہ مسائل محض خشک ضابطہ کے طور پر نہ ہوں، ان میں محبت وشوق کا جذبہ شامل رہے، جیسا کہ کتاب "آپ حج کیسے کریں" میں ہے۔ لیکن اس میں سارے مسائل نہیں، تفصیل کے لیے ان کو خود جا بجا لکھنا پڑا کہ تفصیلات مناسک کی کتب میں دیکھو۔ کیونکہ مسائل معلوم نہ ہونے کی وجہ سے حرم اور حالتِ احرام میں احکامِ خداوندی (شریعت) کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے جو حرام اور سخت گناہ ہے، جزا میں دم وغیرہ بھی آتا ہے اور کہیں حج کے فاسد ہونے کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ یہ خلاف ورزیاں محض عشق ومحبت کے جذبات سے معاف نہیں ہوتیں، بلکہ عشقِ حقیقی کا تو مطلب ہی اطاعتِ محبوب علیٰ وجہ الکمال ہے، آجکل کے جدید متکبرین فروعی مسائل کی تحقیق کو فقہی موشگافیاں اور عجمی ذوق کہہ کر تحقیر کرتے ہیں۔ یا مہذب الفاظ میں علمی تحقیقات کا نام دیتے ہیں، لیکن سلف صالحین راسخین فی العلم حضرات کے یہاں یہ چیز محبوب کی رضا کی جستجو اور منشا کے معلوم کرنے کی کوشش ہے۔

فقہی ضوابط ومسائل کے ساتھ مطلوبہ کیفیات وجذبات کی بار بار یاددہانی کی

ضرورت ہے۔ صرف ایک دفعہ کا علم جیسا کہ پہلی فصل میں بیان ہوا کافی نہیں اس لیے اس میں تکرار و طوالت کو برداشت کیا گیا کہ حج کی روح کی بہرحال بہت اہمیت ہے، اس لیے پہلی فصل میں حقیقتِ حج کے آخر میں حضرت مدنیؒ کا ارشاد لکھا گیا کہ حج سے پہلے کچھ عرصہ ذکر شغل اور عشاق کی صحبت اٹھا کر اپنے کو تیار کر لینا بہتر ہے تاکہ اللہ کی یاد اور محبت تمام اعمال میں شامل رہے۔ ایسا شخص بجا آوری احکام میں محبت کی وجہ سے بہت چستی اور عزیمت دکھلاتا ہے، وہ مُستحبات کی فقہی تعریف کو عقیدے میں رکھتے ہوئے دل میں مستحب کا ترجمہ محبوب کی پسندیدہ بات کرتا ہے۔ پھر ایسے شخص کے واجبات پر عمل کرنے کا کیا پوچھنا۔

الحمد للہ رب العالمین عدد خلقہ ورضا نفسہ والصلوۃ والسلام علی سیدنا سید الخلائق والمرسلین محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ واحبابہ اجمعین عدد علمہ و وزنۃ عرشہ۔

اما بعد! حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے آخری رکن ہے، اس پر اسلام کی تکمیل و تتمیم ہوئی ہے، کیونکہ حج میں آیۃ شریفہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی "یعنی آج کامل کر دیا میں نے تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت" نازل ہوئی۔ اس کے بعد حلت و حرمت میں کوئی جدید حکم نازل نہیں ہوا، اور مشہور حدیث جس میں جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے سارے شعبوں کے متعلق سوال کیا تھا۔ سوال وجواب میں پہلے ایمان پھر اسلام پھر آخری اور تکمیلی درجہ احسان بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ مکالمہ بھی اسی حجۃ الوداع سے ذرا پہلے ہوا تھا، حج اسی تکمیلی درجہ اخلاص و احسان کا مظہر ہے۔ جس کے افعال میں اس صفت احسان کی مشق کرائی جاتی ہے کہ کمال عشق کے ساتھ کمال اطاعت اس طرح ہو جیسے حضوری میں ہوتی ہے[1]۔ اس کا مفصل بیان ان شاء اللہ حصہ دوم ممنوعات احرام کے بیان میں آئے گا۔

---

[1] ماخوذ از ترجمان السنۃ

فصلِ اوّل

حج کی فرضیت، فضیلت، حقیقت اور آداب و مناسک کی اہمیت اور حج کا مسنون طریقہ

حج کی فرضیت، تاکید اور حج نہ کرنے کی وعید

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے کہ:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ (آل عمران ۹۷)

اور اللہ جل شانہٗ کے (خوش کرنے کے) واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان (بیت اللہ) کا حج (فرض) ہے (یعنی) اس شخص کے ذمہ ہے جو وہاں جانے کی سبیل رکھتا ہو اور جو منکر ہو تو (اللہ جل شانہٗ کا کیا نقصان ہے) اللہ تعالیٰ تمام جہان سے غنی ہے (ان کو کیا پرواہ)

(ف) علماء نے لکھا ہے کہ حج کی فرضیت کی ابتدا اس آیت کے نزول سے ہوئی۔

(یعنی) اس ایک ہی آیت شریفہ میں (قواعد عربی کے لحاظ سے) کئی وجوہ سے تاکید اور حج نہ کرنے پر عتاب اور غصہ کا اظہار ہے کہ حج نہ کرنے والے کو مَن کفر سے تعبیر کیا، اور اس پر اپنے استغناء اور بے پروائی کا ذکر فرمایا جو بڑے غصہ کی علامت ہے اور اس کی رسوائی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ سارے جہان سے استغناء کا ذکر فرمایا، جس میں اور بھی زیادہ غصہ کا اظہار ہوتا ہے[1]

---

[1] ماخوذ از فضائلِ حج

مالی و بدنی استطاعت کے باوجود حج نہ کرنا کفر اختیار کرنے کے مترادف ہے اور اس حالت پر موت یہودیت یا نصرانیت پر موت کے ہم معنیٰ ہے۔ چنانچہ حدیثِ پاک میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:۔

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ یَمْنَعْہُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَۃٌ ظَاہِرَۃٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَہُوْدِیًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِیًّا۔ (رواہ الدارمی کذا فی المشکوٰۃ ص ۲۲۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی ضروری حاجت یا ظالم بادشاہ کی (ممانعت) کی وجہ سے مگر جانے سے نہ روکا جائے پھر وہ بغیر حج کئے مر جائے تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر مرے۔ (برابر ہے)

اگرچہ ائمہ اربعہ کے نزدیک حج نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک کہ حج کا انکار نہ کرے لیکن جو وعیدیں ذکر کی گئی ہیں وہ کیا کم ہیں[۱]۔

حج کی فضیلت

حج کے فضائل میں کثیر احادیث ہیں ۔ اختصار کے پیشِ نظر صرف تین حدیثیں لکھی جاتی ہیں:۔

(۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حج للہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ۔ (متفق علیہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کے لیے حج کرے اس طرح کہ اس حج میں نہ رفث ہو (یعنی فحش بات) نہ فسق ہو (یعنی حکم عدولی) وہ حج سے ایسا واپس ہوتا ہے جیسا اُس دن تھا جس دن ماں کے پیٹ سے نکلا تھا۔

---

[۱] ماخوذ از فضائلِ حج

(۲) عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحج المبرور لیس لہ جزاء الا الجنۃ (متفق علیہ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نیکی والے (یعنی قبول) حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔

(۳) عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحجاج والعمار وفد اللہ ان دعوہ اجابھم وان استغفروہ غفرلھم۔ (رواہ ابن ماجہ کذا فی المشکوٰۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ جل شانہٗ کا وفد (مہمان) ہیں، اگر وہ لوگ دعا مانگیں تو اللہ جل شانہٗ اُن کی دعا قبول کرتا ہے، اگر وہ مغفرت چاہیں تو اُن کے گناہوں کی مغفرت فرماتا ہے۔

حج کی حقیقت

سُنا ہے کل تُرے دَر پر ہجوم عاشقاں ہوگا
اجازت ہو تو میں بھی آ کے شامل اُن میں ہو جاؤں

حج اسلام کا تکمیلی رکن ہے، جس میں اپنے مالک، مُربّی و مُحسن کے ساتھ عشق و محبت کا اظہار اور رُوح کو حقیقی عشق سے رنگا جاتا ہے، تاکہ حقیقی اسلام اور حقیقی بندگی حاصل ہو، کیونکہ کمال ایمان کے لیے عشق لازم ہے، محبوبِ حقیقی جل شانہٗ فرماتے ہیں والذین اٰمنوا اشد حبا للہ ۔ یعنی ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت (عشق) ہے، اللہ تعالیٰ میں محبوبیت کی تمام وجوہ احسان، کمال اور نوال حقیقی طور پر موجود ہیں، ادھر اسی نے اپنے کرم سے بندہ کے اندر بھی محبت کا مادہ فطری طور پر رکھ دیا ہے ؎

ازل سے حُسن پرستی لکھی تھی قسمت میں
مرا مزاج لڑکپن سے عاشقانہ تھا

ے پیدا ہوئے تو ہاتھ جگر پر دھرے ہوئے
کیا جانیں ہم ہیں کب سے کسی پر مرے ہوئے

ے مری طفلی میں شانِ عشق بازی آشکارا تھی
اگر بچپن میں کھیلا کھیل تو آنکھیں لڑانے کا

افعالِ حج۔ احرام، منیٰ، عرفات، مُزدلفہ، رمی، قُربانی

اسی عشقی تعلق کا مظہر حج ہے کہ سفر کی ابتدا ہی سے سب تعلقات کو ختم کر کے سب عزیز و اقارب، گھر بار سے منہ موڑ کر کوچۂ یار کی طرف جاتا ہے، اور جنگلوں اور گلی کوچوں میں مارے مارے پھرنا ہے۔ جب قریب پہنچتے ہیں (میقات پر) تو اپنے رہے سہے کپڑے اُتار کر کفن کی طرح بے سِل چادریں باندھ لیتے ہیں۔ اس وادیٔ عشق میں گریبان اور دامن سے کیا کام ے

ہم نے تو آپ اپنا گریبان کیا ہے چاک اس کو سیا، سیا نہ سیا تو کسی کو کیا

ے لنگی زیر و لنگی بالا نہ غم دزد و نہ غم کالا

پھر اسی اضطراب، بے چینی، آوارہ گردی، صحرا نوردی کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ صبح کو مکہ میں، رات کو منیٰ میں، پھر صبح کو عرفات کا جنگل بیابان (حدودِ حرم سے بھی باہر) شام ہوتے ہی مُزدلفہ بھاگ آئے، صبح ہی صبح وہاں سے پھر منیٰ، دوپہر کو پھر مکہ مکرمہ اور واپسی شام کو پھر منیٰ لوٹ آئے ے

ایک جا رہتے نہیں عاشق بدنام کہیں دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں

ے ہے گدائی مجھ کو بہتر تیرے حسن و عشق کی ہم بھکاری بھیک کے در در ہمیں رُلنا پڑا

اس سب کے بعد منیٰ میں شیطان کے پتھر مارنا اس جنونِ وحشت کے آخری حصہ کا نظارہ ہے جو عشاق کو پیش آتا ہے، عاشق کا جنون جب حد سے تجاوز کرتا ہے

تو وہ مہر اس شخص کے پتھر مار اکرتا ہے جس کو وہ اپنے کام میں مخل سمجھا کرتا ہے ع

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن جو مجھے سمجھائے ہے

اور سب سے آخر میں قربانی جو حقیقتاً اپنی جان کی قربانی ہے، اللہ جل شانہٗ نے اپنی غایت رحمت اور رافت سے اس کو جانور کی قربانی سے بدل دیا یہی عشق کا منتہا اور آخری حال ہے ؎

موت ہی سے کچھ علاج درد فرقت ہو تو ہو ؛ غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو

؎ موت ہی ہے علاج عاشق کا ؛ اس سے اچھی نہیں دوا کوئی

؎ کسی کی تیغ ہو میرا گلو ہو ؛ دل مضطر کی پوری آرزو ہو[1]

ان سارے مناظر میں محبوب کی رضا مطلوب ہوتی ہے، اور وہ عبادت سب سے زیادہ کامل ہوتی ہے جس میں رضا کے علاوہ اور کوئی مصلحت مقصود اور ظاہر نہ ہو۔ اگرچہ اللہ جل شانہٗ کے تمام احکام میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں اور ان میں بہت سے مصالح تک ہماری عقلوں کی رسائی بھی نہیں۔ اور حج میں یہی خاص بات ایسی ہے کہ جو اور عبادتوں میں نہیں پائی جاتی کہ اور عبادتوں کے افعال میں کچھ عقلی مصلحتیں بھی سمجھ میں آجاتی ہیں مگر حج کے افعال میں بالکل عاشقانہ شان ہے، اس لیے حج وہی کرے گا جس کا عشق عقل پر غالب ہوگا۔ اگر فی الحال اس میں کچھ کمی بھی ہوگی تو تجربہ سے ثابت ہے کہ عاشقانہ کام کرنے سے عشق پیدا ہو جایا کرتا ہے جو کہ دین میں مضبوطی اور اخلاص پیدا ہونے کے لیے ضروری ہے[2]

مناسکِ حج کی ادائیگی میں مقبول اور معتبر عشق کی مشق

عشق و محبت بھی دو طرح سے ہوتا ہے، ایک تو محب کی اپنی نفسانی خواہش

---

[1] ماخوذ از فضائل حج [2] ماخوذ از حیوۃ المسلمین

ہوتی ہے جس میں وہ اپنے جذبات کی پیروی کرتا ہے۔ یہ محبت عشق مجازی اور حقیقی دونوں جگہ مردود اور ناقابل اعتبار ہوتی ہے۔ اور ایک سچی محبت ہے جس میں محب اپنے جذبات کو محبوب کی اطاعت میں فنا کر دیتا ہے اور کامل طور پر محبوب کا مطیع ہوتا ہے۔ اسی کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے، ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ "یعنی کہہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم کو محبوب رکھے گا"۔

حج کے جتنے بھی ارکان و افعال ہیں وہ انبیاء سابقین کی مخصوص اداؤں کی نقل ہے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی بعض مخصوص اداؤں کو جو فرطِ محبت میں سرزد ہوئی تھیں اُمتِ محمدیہ کے لیے عبادت قرار دے دیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مُحبّین اور محبوبین کی عادات بھی عبادت ہوتی ہیں اور ان کے اطوار و اعمال کی نقل بھی مرغوب اور مطلوب ہے اس لیے کہ ان کا ہر کام اور ان کی ہر ادا اشارۂ غیبی اور حکم ربانی کے تحت سرزد ہوتی ہیں جس سے مقصود محض رضائے الٰہی ہوتا ہے اور بس!

اس میں ایک گہرا سبق ہے کہ جب دیگر انبیاء کرام کا معمولی باتوں میں اتباع محبوب اور مطلوب ہے اور بارگاہِ ربّ العالمین میں تقرب کا ذریعہ ہے تو جناب سیّد الانبیاء والمرسلین محبوب ربّ العالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ہر بات اور ہر ادا کا اتباع اس سے کہیں زیادہ محبوب اور مطلوب ہے، اور سب سے بڑھ کر تقرب خداوندی کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، یہی وہ اصل چیز ہے جس کی دورانِ حج پورے طور پر مشق کرائی جاتی ہے[1]

---

[1] رفیق حج (احتشامی)

ضروری تنبیہ

حج کے ارکان کو مذکورہ بالا جذبات و کیفیات کے ساتھ ادا کرنے میں پوری کامیابی صرف اس قسم کے مضامین پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ حج سے پہلے عشاق کی صحبت میں کچھ ذکر و شغل کر کے اپنے کو تیار نہ کیا جائے، چنانچہ اسی چیز کو حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حج کو جانے والے ایک مسترشد کو جو ممتاز عالم دین بھی تھے تحریر فرماتے ہیں:۔

"بہتر تو یہ ہوتا کہ کچھ دنوں پوری ہمت اور محنت کے ساتھ اذکار وغیرہ کر لینے کے بعد حج ہوتا اور زیارت کی مقدس نعمت حاصل کی جاتی تاکہ دونوں کی حقیقت سے اتصال کی نوبت آتی، مگر جب قصد کیا گیا تو پورا کرنا ضروری ہے جہاں تک ہوسکے غفلت کو راہ نہ دیجئے اور ذکر میں مشغول رہیئے"[1]

حج کے آداب اور مناسک حج کی اہمیت

سارے سفر کو ذوق و شوق اور عاشقانہ والہانہ جذبہ سے کرے، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ یہ عبادت ساری ہی مظہر عشق ہے، یہ سمجھے کہ اللہ کے دربار میں حاضر ہو رہا ہے اور ایسا ہے کہ گویا شہنشاہ نے کوئی دربار مقرر کیا ہے اور خوش قسمتی سے دعوتی کارڈ اس کے نام بھی آگیا، اس لیے کہ بغیر اللہ جل شانہ کی توفیق کے کچھ بھی نہیں ہوسکتا، اسی کی طرف سے طلب اور حاضری کی اجازت ہوتی ہے جب ہی

---

[1] مکتوب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کوئی شخص جاسکتا ہے ؎

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے
قدم یہ خود نہیں اُٹھتے اٹھائے جاتے ہیں[۱]

حج کی فضیلت میں حدیث نمبر۳ گذر چکی کہ عمرہ کرنے والے اور حج کرنے والے اللہ تعالیٰ کے وفد (مہمان) ہیں، اگر وہ دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں وہ بخشش چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بخش دیتے ہیں۔

اس میں خاص خیال رکھنے کی بات یہ ہے کہ جس طرح میزبان کے ذمہ مہمان کے حقوق ہیں یعنی قبولیتِ دُعا اور بخشش، اسی طرح مہمان کے ذمہ میزبان کے حقوق ہیں اور ان کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ حج کے مسائل اور اس کی شرائط، ارکان وآداب، درحقیقت یہی وہ حقوق ہیں جو حق تعالیٰ کے مہمان ہونے کی حیثیت سے حُجاج کے ذمہ عائد ہوتے ہیں[۲]۔ ان حقوق یا احکام اور مناسکِ حج سے واقفیت کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس بیت اللہ کے اوّلین معمار اور حج بیت اللہ کے اوّلین مؤسس حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیٰ نبینا وعلیہما السلام تعمیر بیت اللہ سے فارغ ہوکر ربّ العالمین سے درخواست کرتے ہیں وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا ۔ یعنی ہم کو حج کے احکام بتا دیجئے اور نادانستہ طور پر کوتاہی ہو جانے کے اندیشہ کے پیش نظر اس سے بھی توبہ کرتے ہیں وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ یعنی ہماری توبہ قبول کیجئے بیشک آپ ہی توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں[۳]۔

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں بار بار فرمایا خُذُوا عَنِّی مَنَاسِکَکُمْ یعنی مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو، اور فرمایا

---

[۱] فضائل حج [۲] حج عمرہ، مولانا حبیب اللہ صاحب [۳] تعارف زبدہ از حضرت بنوری

حجوا کما حججت یعنی جیسے میں نے حج کیا ویسے ہی حج کرو۔

حج میں حکم عدولی اور مناسک کی ادائیگی میں خلاف ورزی کے گناہ کی نوعیت و شدت

(نوٹ) آجکل اس جہالت لاأبالی اور خود رائی کے دور میں اس کو کچھ تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔

حدودِ حرم میں گناہ

احادیث مبارکہ میں حرم شریف کی ایک نیکی کا ثواب غیر حرم میں ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہونا تو بہت مشہور ہے مگر جیسا کہ مکہ مکرمہ میں نیکیوں کا ثواب بہت زیادہ ہے ایسے ہی وہاں گناہ کا وبال بھی بہت سخت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مکہ سے باہر ستر لغزشیں مکہ کی ایک لغزش سے بہتر ہیں۔ یہی ارشاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی ہے بلکہ انہوں نے تو اسی وجہ سے مکہ کی بجائے طائف میں قیام کر لیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ کسی شہر میں صرف گناہ کا ارادہ کرنے پر عمل کرنے سے پہلے مواخذہ نہیں ہوتا لیکن مکہ مکرمہ میں ارادہ پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ وہاں خطاؤں کا ارتکاب سخت ممنوع ہے اور قریب ہے کہ اللہ جل شانہ کے غصہ کا موجب بن جائے۔

حالت احرام میں گناہ

اول تو حرم کا مقدس مقام پھر مبارک ایام جن کو اشہر الحرم یعنی احترام والے مہینے فرمایا گیا، پھر کفنی کے مشابہ احرام کا لباس، عاشقانہ جذبات وہیئت، اور ہر وقت اللہ کے حضور میں "اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں" پکارتے رہنا یہ سب کچھ اس کی یاد دہانی کر رہا ہے کہ تم اس وقت عبادت میں ہو۔ اس حالت میں تو حکم عدولی و نافرمانی انتہائی

بیجا کی اور اشدّ ترین گناہ ہے۔ اسی لیے تو یہاں بھول چوک اور غلطی سے (اور بعض حالات میں عذر سے بھی) احکام کی خلاف ورزی پر صرف توبہ کافی نہیں بلکہ کچھ جرمانہ بھی لازم آتا ہے، جیساکہ مسجد میں اعتکاف کی حالت میں یکسو ہوکر بیٹھا ہُوا اگر بھول کر ایک لمحہ کے لیے باہر نکل جائے تو اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے جب کہ روزہ میں بھول کر خوب پیٹ بھر کر کھالینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ روزہ کو یاد دلانے والی کوئی ظاہری ہیئت نہیں ہے۔

اگرچہ اللہ جلّ شانہٗ کی نافرمانی اور گناہ تو ہر جگہ اور ہر حالت میں ممنوع ہے لیکن حدودِ حرم میں اور حالتِ احرام میں اتنی شدت ہوجاتی ہے کہ بہت سے وہ کام جو حدودِ حرم سے باہر اور احرام کے بغیر جائز تھے وہ اس جگہ اور اس حالت میں ناجائز اور گناہ بن جاتے ہیں۔ اور جو کام ہر وقت ہر جگہ گناہ ہی کے ہیں اُن کا ارتکاب تو اس حالت میں بہت ہی خطرناک ہوجاتا ہے۔

حرم اور احرام میں ممنوعاتِ احرام کی طرح دیگر مناسکِ حج میں کمی زیادتی کرنا اور شریعت کے حکم اور سنت کی خلاف ورزی بھی حرام اور گناہ ہے جن کے ارتکاب سے بعض صورتوں میں حج ہی نہیں ہوتا اور بعض حالتوں میں گناہ اور کفارہ لازم آتا ہے۔

قابلِ غور

حاجی کی فضیلت میں حدیث گذر چکی کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: رجع کیوم ولدتہ امہ — یعنی حاجی ہر قسم کے گناہوں (سابقہ گناہوں) سے ایسا پاک وصاف ہوکر واپس آتا ہے جیسے اُس دن تھا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہُوا۔

اور ایسے حج کی فضیلت میں ارشادِ گرامی گذر چکا کہ الحج المبرور لیس لہٗ جزاء الا الجنۃ۔ "یعنی نیکی والے (مقبول حج) کی جزا جنّت کے

رسوا کچھ ہے ہی نہیں۔"

لیکن یہ فضیلتیں کس حج کے متعلق ہیں؟ اپنی مرضی کے تحت کئے ہوئے (ناقص و خلافِ سنّت) حج یا سنّت کے مطابق کئے ہوئے مبرور و مقبول حج کے متعلق ہیں؟ چنانچہ ان فضیلتوں والے مبرور حج کی شرائط کو بھی بیان فرمادیا گیا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (بخاری مسلم)	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے اللہ کی خوشنودی کے لیے حج کیا اور اس میں رفث اور فسوق نہیں کیا تو وہ ایسا واپس آتا ہے جیسے (بے گناہ) ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

رفث ایک جامع لفظ ہے، جس میں عورت سے مباشرت اور اس کے مقدمات اور کھلی گفتگو داخل ہے جو کہ بلا احرام کے اپنی زوجہ سے جائز ہے لیکن احرام میں ممنوع ہے۔

اور فسق کے معنی حکم عدولی اور نافرمانی کے ہیں جو اپنے عام معنی کے اعتبار سے سب گناہوں کو شامل ہے، اور احرام میں ان کا گناہ بڑھ جاتا ہے۔ لیکن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے قرآنِ پاک کی آیت فلا رفث ولا فسوق میں رفث کی طرح فسوق کی تفسیر محظورات احرام سے فرمائی ہے۔ یعنی وہ کام جو حالتِ احرام میں ممنوع اور ناجائز ہیں[1] (اگرچہ بلا احرام مباح بلکہ مسنون ہوں، جیسے خوشبو لگانا، سلے ہوئے کپڑے پہننا وغیرہ)

حضرت مفتیٔ اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ یہاں یہی تفسیر (یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہی) مناسب ہے۔

---

[1] معارف القرآن جلد ۱

اسی طرح مناسکِ حج میں حکم کی خلاف ورزی اور کوتاہی بھی موجب عذاب ہے

مناسک کے متعلق آیت شریفہ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰہِ کے آخر میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرنے اور بچنے کے، اس کے بعد فرمایا" وَاعْلَمُوا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۔ یعنی جو شخص جان بوجھ کر احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے[1]

آجکل حج وعمرہ کو جانے والے بکثرت اس سے غافل ہیں خصوصاً نفلی حج کثرت سے کرنے والے اور فدیہ دے دینے کے مسائل کو جاننے والے) اول تو حج وعمرہ کے احکام معلوم کرنے ہی کی پوری کوشش نہیں کرتے، پھر معلوم بھی ہو تو بکثرت اس کے مطابق عمل نہیں کرتے۔ اور عوام (متمول ومتکبرین) جو بعض امر جنایت (یعنی حج کے بعض افعال سنن وواجبات کو چھوڑنا یا احرام کی حالت میں منع کردہ افعال کرنا) جان کر کرتے ہیں کہ فدیہ دے دیں گے، تو یہ سخت گناہ ہے۔ اور جنایت عمد[2] کا گناہ فدیہ دینے سے معاف نہیں ہوتا اور ان کا حج مبرور نہیں ہوتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی احمق کہے کہ میں زنا کرتا ہوں، شراب پیتا ہوں، (نعوذ باللہ) حد کھا کے پاک ہو جاؤں گا۔[3]

الحاصل حج مبرور جس کا بدل جنت ہے وہ حج پسندیدۂ بارگاہ ہے جو دنیا ومافیہا سے بہتر ہے، اس میں رفث، فسوق اور جدال نہ ہونا چاہیئے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حج مبرور کے تمام فوائد ومنافع اور ثمرات وبرکات

---

[1] معارف القرآن، جلد ۱ [2] جان بوجھ کر کیا ہوا

[3] زبدۃ کما ذکر ابن جماعۃ عن الائمۃ الاربعۃ شرح لباب ۱۳

حاصل کرنے کی شرط یہ ہے کہ حاجی حج کے فرائض، واجبات اور سُنن و مستحبات پورے اہتمام و احتیاط کے ساتھ ادا کرے۔ اور جو چیزیں حج کو فاسد اور خراب کرنے والی ہیں اُن سے کُلی طور پر اجتناب کرے ورنہ فرض سے سُبکدوشی ہو بھی گئی تو فضائل و برکات سے محروم رہنا یقینی ہے۔ یاد رہے کہ حج و عمرہ کا احرام باندھ کر (خواہ نفلی حج ہو یا مکّہ کا رہنے والا ہو) انسان پر بہت سی شرعی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں، جس کی خلاف ورزی کرنا سخت گناہ ہے۔ اور حرمین شریفین میں جو گناہ کیا جائے اس کا وبال و عذاب بھی انتہائی سخت اور شدید ہوتا ہے۔ بے خبر لوگ تو حج کرکے یہ حساب لگاتے ہیں کہ ہم تمام گناہوں سے پاک صاف ہو کر آئے ہیں اور ثواب آخرت کا بڑا ذخیرہ جمع کر کے لائے ہیں اور ہوتا یہ ہے کہ حج کے واجبات اور سُنن کے ترک کرنے کا وبال اور گناہوں کی پوٹ باندھ کر لاتے ہیں[1]

کوئی بلا عذر رمی میں نیابت کراتا ہے، کوئی حلق قصر نہیں کراتا، کوئی منیٰ کا قیام اور مزدلفہ کا وقوف چھوڑتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ایک ضروری بات یہ بھی ہے کہ حرمین شریفین کے بیشمار برکات اور حق تعالیٰ کی بیحد و حساب رحمت سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس لیے اپنی ناقص عبادت میں اللہ کے محض لطف و کرم سے قبول کی امید واثق بھی رکھنا چاہیے کہ وہ بڑا کریم ہے، اس کے کرم کا ہر شخص کو امیدوار رہنا چاہیے کہ ع

شیوہ ہے کریموں کا نبھانا اپنے چاکر کا

حدیث پاک میں آیا ہے کہ وہ شخص بڑا گنہگار ہے جو عرفات میں بھی یہ سمجھے کہ میری مغفرت نہیں ہوئی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بے فکر اور بے پرواہ ہو

---

[1] ماخوذ از "حج اس طرح کریں"

ہوجاتے ہیں، کیونکہ جو گناہ بے فکری اور بے پروائی سے کیے جائیں وہ کبیرہ کی لائن کے گناہ ہوتے ہیں، جن کی معافی کی امید بھی کم ہے۔ جس کے لیے اپنی شرائط کے ساتھ توبہ ضروری ہے۔

آدابِ حج اس کے بعد اس مبارک سفر کے آداب معلوم ہونے ضروری ہیں۔ مثلاً خلوصِ نیت، حلال مال خرچ کرنا، توبہ، والدین کی اجازت، استخارہ وغیرہ۔

مگر یہ آدابِ دین کے سارے ہی کاموں اور سارے ہی سفروں میں ضروری ہیں گو حج میں زیادہ اہتمام کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہمارے مرشدِ پاک حضرت شیخ الحدیثؒ نے "فضائلِ حج" میں فضائل کے علاوہ مکہ مکرمہ کے سفر کے ۴۹، اور مدینہ پاک کے سفر کے ۱۶ آداب مع دیگر ضروری متعلقہ مباحث کے لکھے ہیں، اس مبارک کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں تو صرف مسائلِ حج لکھنے کا قصد کیا گیا ہے، گذشتہ اوراق بھی مسائل ہی کی اہمیت پر لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح حج سے متعلق معروف معلومات، اصطلاحی الفاظ کی تشریح وغیرہ کو بھی نہیں لکھا جائے گا۔ اب مسائلِ حج سے پہلے ایک ضروری بحث "مسنونِ حج" کی تعریف میں لکھی جاتی ہے:۔

مسنون حج اور اس کے مطلب میں ایک گمراہ کن مغالطہ

شعر

یہ حسرت رہ گئی پہلے سے حج کرنا نہ سیکھا تھا\
کفن بردوش جا پہنچا مگر مرنا نہ سیکھا تھا

شعر

مری چشمِ محبت خونِ حسرت اب بھی روتی ہے\
خبر اے کاش یہ ہوتی کہ حج کیا چیز ہوتی ہے

ضروری وضاحت :۔ آجکل کثیر الوقوع حماقت جس طبقہ کی خاطر مندرجہ ذیل سطور لکھنا پڑی ہیں ان میں بہت سے حضرات کئی کئی حج کر چکے ہوتے ہیں، اب نفلی حج کے خیال سے بہت

بے فکری اور آزادی ہوتی ہے۔ اُن کو یہ واضح ہو کہ مکہ مکرمہ یا جدہ میں رہتے ہوئے بھی نفلی حج نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن حج یا عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد فرض حج کی طرح سے احرام اور مناسک کی ساری پابندیاں واجب ہو جاتی ہیں جنکی خلاف ورزی سے سخت گناہ ہوتا ہے۔ جیسے کوئی نفل نماز نہ پڑھے تو کوئی گناہ نہیں، لیکن نیت باندھ کر

اس نماز کو توڑنا واجب ہوگا، لہٰذا جس نے حج کے پورے احکام پر عمل نہ کرنا ہو اس کو خود اپنے اوپر احکام واجب کر لینا سمجھ کی بات نہیں۔ اس کے لیے تو بیت اللہ شریف کے طوافوں کی کثرت افضل ہے اور حج و عمرہ کا محض نام کرکے شوق پورا کرنا نیکی برباد گناہ لازم کے مترادف ہے۔ بلکہ جس شخص پر کسی عبادت کا کرنا واجب نہ ہو لیکن وہ خود اپنے ذمہ واجب کر لے، مثلاً منت مان لے، یا غریب آدمی قربانی کا جانور خرید لے وغیرہ۔ تو اب اس پر شرعاً اس شخص کی بہ نسبت زیادہ شرائط عائد ہو جاتی ہیں جس پر وہ عبادت شرعاً پہلے سے خود واجب تھی۔ مفت سُفت کے حج والے غور فرمالیں۔

اسی سال کے حج میں ہمارے ایک محترم دوست کا عمل بہت پسند آیا اور ان کی سوچ پر رشک آیا۔ ۱۲ ذوالحجہ کو ہم لوگ منیٰ کا قیام ختم کرکے جب واپس آنے لگے تو کسی نے اُن سے کہا کہ آپ تیاری کیوں نہیں کرتے، جواب دیا کہ بھئی میرا تو نفلی حج ہے میں تو ۱۳ تاریخ کو جاؤنگا، کیونکہ نفلی حج کا تو مقصود ہی زیادہ ثواب حاصل کرنا ہے نہ کہ صرف فریضہ ادا کرنا۔

قبولیت کی دو لازمی شرطیں

ہر عمل میں قبولیت کی دو شرطیں ہیں، پہلی توحید یعنی اخلاص، عبادت کا محرک اللہ تعالےٰ کی خوشنودی کے لیے ہونا۔ اس میں ماسوا معبود جلّ شانہٗ کے ہر چیز شامل ہے۔ پتھر کے بُت، کسی مزار یا شخصیت کے لیے کرنا تو کھلم کھلا شرک ہے، اسی طرح اپنی خواہشات

یا مصلحت کے پیشِ نظر ہو تو اخلاص نہیں رہتا، قرآنِ پاک میں خواہشِ نفس کو "الٰہ" فرمایا گیا ہے اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوَاهُ ۔

دوسری اہم شرط عبادت کا طریقہ عین سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہونا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فتاویٰ ص ۵۸۵ ج ۱۱ میں فرماتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ عمل جب تک خالص اور صواب نہ ہو قابلِ قبول نہیں۔ خالص کا مطلب یہ ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، اور صواب کا مطلب یہ ہے کہ سنت کے مطابق ہو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کا ایمان اُس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس کے تابع نہ بن جائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔ اور دوسرا ارشاد ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔

محبت کا ثمرہ تو اتباعِ محبوب ہی ہے، چنانچہ قرآنِ پاک میں ارشاد ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ "یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی اُمت سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ جل شانہ تمہیں محبوب بنائے گا"۔ اور اللہ پاک کا ارشاد ہے وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ "یعنی اطاعتِ رسول خدا تعالیٰ کے حکم ہی کا ماننا ہے"۔ لہٰذا ہر عبادت کے جملہ امور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور فرمان کے مطابق ادا ہونے چاہئیں، کوئی عبادت بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقہ کے خلاف ادا کی گئی تو قابلِ قبول نہ ہو گی۔ اس لیے ہر عمل میں سُنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملحوظ رکھنا چاہیئے، اور اس میں اپنی نفسانی خواہشات اور دوسرے غیر ضروری اعذار کو رکاوٹ نہیں بننے دینا چاہیئے۔ آخر ایمان کی تو تکمیل ہی اس سے ہو گی کہ اپنی خواہشات کو طریقۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے

تابع کردیں[1]۔ جیسا کہ اوپر احادیث گذر چکیں خصوصاً حج کے مناسک کی نوعیت تو خالص تعبدی[2] احکام کی ہے جن میں دیگر کسی مصالح یا خواہشات کا دخل ہی نہیں، حجۃ الوداع کے موقع پر بار بار ارشاد ہوتا رہا خُذُوا عَنِّی مَنَاسِکَکُمْ یعنی مجھ سے حج کے احکام سیکھ لو۔ اور فرمایا حُجُّوا کَمَا حَجَجْتُ یعنی جیسے میں نے حج کیا ویسے ہی حج کرو۔

چنانچہ ہمارے تمام اکابرین کے یہاں ہر ہر امر میں اتباع سنت کا شوق جنون کے درجہ کو پہنچا ہوا ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے مرید حضرت مولانا عبدالحیؒ سے ایک دفعہ فرمایا کہ اگر کوئی کام خلافِ سنت مجھ سے ہوتا ہوا دیکھو تو مجھے فوراً اطلاع کر دینا، مولانا عبدالحی صاحبؒ نے اپنے مرشد حضرت سید صاحبؒ سے عرض کیا کہ جب کوئی خلافِ سنت فعل عبدالحی آپ سے دیکھے گا تو عبدالحی آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں؟ یعنی فوراً ہمراہی چھوڑ دے گا[3]۔

اب حج کے ایک بڑے رکن وقوفِ عرفہ میں سُنن و مستحبات کے اہتمام کے متعلق اپنے اکابر کے دو تین واقعات بطور برکت و نمونہ لکھے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدنیؒ کے استاذ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے ایک حج کے دوران ۹ ذی الحجہ قبیل صبح صادق مطوف آیا اور شور مچایا کہ عرفات کے لیے تیار ہو جاؤ۔ حضرتؒ کے چہرہ پر غصہ کے آثار نمودار ہوئے، آپ نے مطوف سے فرمایا تم بھول گئے ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ سُنت کے خلاف ہم ہرگز نہ کریں گے اور تم نے اقرار کیا تھا کہ جس طرح کہو گے اسی طرح کروں گا، پھر قبیل طلوعِ آفتاب لے چلنے پر ہم سے کہنے کا تم کو کیا

[1] حج عمرہ از مولانا حبیب اللہ [2] محض امتثال امر [3] ماخوذ از اکابر علماء دیوبند

حق ہے؟ مطوف نے کہا میں کیا کروں جمال نہیں مانتے جن پر کسی کا زور نہیں، اور یہ اونٹ لے کر چل دیئے تو حج فوت ہو جائے گا۔ سنت کی خاطر فرض کو خطرہ میں ڈالنا تو اچھا نہیں۔ اس پر حضرتؒ نے بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا۔ ہم نے تم کو مطوف قرار دیا ہے، اُستاد اور پیر قرار نہیں دیا کہ علمی مشورہ دیں، جاؤ اپنا کام کرو، ہم شروق آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی نہیں اُٹھیں گے۔ ہمارا مال خرچ اور صعوبت برداشت کر کے آنا حج کو بطریقِ سنّت ادا کرنے کے شوق میں ہوتا ہے، اونٹ چلے جائیں گے تو پیدل بھی، ہم انشاء اللہ پہنچ جائیں گے، مگر تم یہ چاہو کہ سنّت چھوڑ کر تمہارا کہنا مانیں سو اس کی ہرگز ہم سے توقع مت رکھو۔[۱]

(۲) عرفہ کے روز زوال کے بعد سے دوسرے روز کی صبح صادق تک اگر کوئی حاجی ایک لحہ کے لیے بھی عرفات میں آجائے تو حج کا یہ رُکن اور فرض پورا ہو جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد ظہر عصر اکٹھی پڑھ کر جبلِ رحمت پر تشریف لے گئے اور قبلہ رُخ ہو کر دعائیں مانگتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک وہیں کھڑے رہے حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا۔

امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کے شاگرد مولانا سید حسن شاہ مہاجر مکیؒ مصنف "غنیۃ الناسک" (مناسک حج کی مفصل اور مشہور کتاب) زوال سے غروبِ شرعی تک روبقبلہ کھڑے ہو کر دھوپ میں وقوف کرتے تھے۔[۲]

(۳) حجۃ الوداع میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عرفات میں دودھ نوش فرمانا ثابت ہے، ہمارے مُرشدِ پاک حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ اپنے حجوں میں اس کا اہتمام فرماتے تھے، حالانکہ امراض کی وجہ سے اور دنوں میں دُودھ کا استعمال نہ تھا۔

---

[۱] ماخوذ از اکابر علماء دیوبند [۲] عمدۃ الناسک

حضرت شیخؒ نے اپنی مبارک زندگی کے ہر شعبہ عبادات، اخلاق وعادات، معاشرت، معیشت میں سنت کے ہر ہر جزو پر عمل کر کے دکھلا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث ہونے کا حق ادا کر دیا۔ اس کے چند واقعات احقر کے رسالہ "حضرت شیخ اور اتباع سنت" میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

حضرت اپنے رسالہ "اکابر علماء دیوبند" میں تحریر فرماتے ہیں کہ اصل چیز اتباع سنت ہے اور جس کو پرکھنا ہو اسی معیار پر پرکھا جائے گا، جو شخص اتباع سنت کا جتنا زیادہ اہتمام کرے گا اتنا ہی اللہ کے نزدیک محبوب و مقرب ہوگا۔ روشن دماغی چاہے اس کے پاس کو بھی نہ آئی ہو اور جو شخص اتباع سنت سے جتنا دور ہے اللہ تعالیٰ سے بھی اتنا ہی دور ہے۔ چاہے وہ مفکر اسلام، مفکر دنیا، مفکر سموٰت بن جائے۔

مندرجہ بالا تحریر کا یہاں مقصد یہ ہے کہ ہم کو حج جیسی عظیم عبادت اخلاص کے ساتھ عین سنت کے مطابق ادا کرنا چاہیئے، جس میں نیت اور عمل کے لحاظ سے ہوائے نفسانی کا کوئی دخل نہ ہو۔ یہاں ایک ضروری بات کو بہت ہی اختصار سے لکھا جاتا ہے جس کی تفصیل میں تو بڑی بڑی کتابیں ہیں۔ وہ یہ حج اور دیگر عبادات میں بنیادی اور اصولی احکامات تو قرآن مجید یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں صاف طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں، ان احکامات کو منصوص حکم بھی کہا جاتا ہے، ان میں اہل حق کے درمیان اختلاف بھی ممکن نہیں نہ ہی اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے نہ ہی خدانخواستہ نعوذ باللہ حدیث کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول کو مانا جائے گا۔ لیکن بہت سے جزوی اور فروعی احکامات میں امت کے لیے وسعت و رحمت و دیگر مصالح کی بنا پر صورتحال یہ ہے کہ ان احکامات کے متعلق کئی کئی احادیث اور صحابہ کرامؓ کے مختلف اقوال ہم تک پہنچے ہیں۔ تعارض (جس کی کئی وجوہات اور اقسام ہیں) کی صورت میں ان میں

اصل سنت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منشا کے مطابق مسئلہ معلوم کرنے کے لیے کتاب وسنت کے نہایت وسیع علم وفقاہت کی ضرورت ہے۔ اس کام کو امت کے مسلّمہ ائمہ کرام نے انجام دیا۔ اس کام کو اجتہاد کرنا کہا جاتا ہے، اور اس حقیقت میں کسی کو شک نہیں کہ جن بزرگوں نے یہ کام کیا اُن کا کتاب وسنت کا علم بہت وسیع تھا، انہوں نے ان لوگوں کو دیکھا تھا بلکہ انہیں سے علم دین حاصل کیا تھا جنہوں نے دینی تعلیم وتربیت براہِ راست صحابۂ کرامؓ سے یا ان کے خاص شاگردوں سے حاصل کی تھی۔ پھر اس مستند طور پر وسیع علم اور تعلیم وتربیت کے علاوہ ان میں تعلق باللہ اور تقویٰ اعلیٰ درجہ کا تھا، اور انہوں نے اپنی زندگی کا سرمایہ اسی کام پر لگا دیا اور کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ سنت کے مطابق احکام کو معلوم کریں ۔۔۔ اب جبکہ ہم کو وہ علم اور وہ تقویٰ اور وہ زمانہ اور حالات حاصل نہیں ہیں تو اتباعِ سنت کے لیے ہمارے لیے عقلاً وشرعاً ان حضرات کی رائے پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں۔ ہمارے جیسوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے: فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ یعنی اگر نہیں جانتے تو جاننے والوں سے پوچھ لو۔ چنانچہ صحابۂ کرامؓ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست کوئی مسئلہ نہیں پوچھا تھا تو ان کا طریقہ بھی یہی رہا کہ وہ فقہاء صحابہؓ کی تقلید کرتے تھے، اگر اس طریقہ کو اختیار نہ کیا جائے تو نتیجہ سوائے گمراہی اور اتباعِ ھوا کے کیا ہوگا؟

گمراہ کن مغالطہ

اس جگہ ایک مغالطہ کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ بعض لوگ جن کی نظر میں سلف کے اتباع کی اتنی اہمیت نہیں ہے، وہ کہا کرتے ہیں کہ اصل چیز بس قرآن وحدیث ہے اور دین میں، ہم قرآن وحدیث کے سوا کسی چیز کو سند نہیں مانتے ۔۔۔ اس

اس میں شک نہیں کہ یہ فقرہ بہت چُست اور بہت چلتا ہوا ہے، اور فی نفسہ صحیح بھی ہے لیکن یہ لوگ اس کو بہت غلط معنی میں استعمال کرتے ہیں، گویا اب یہ "کلمۃ حق ارید بھا الباطل" کے قبیل سے ہے، واقعہ یہ ہے کہ سب ایمان والوں کے نزدیک دین کا اصل ماخذ کتاب و سنت ہی ہیں۔ لیکن کتاب و سنت کوئی بولتے ہوئے انسان تو ہیں نہیں کہ ہم جا کے ان سے کوئی سوال کریں اور وہ، ہم کو ہماری زبان میں فوراً جواب دے دیں، بلکہ کتاب و سنت سے کسی چیز کو معلوم کرنے کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص جو کتاب و سنت کی زبان اور ان کے اسلوبِ بیان سے پوری واقفیت رکھتا ہو، دین کے مقصد و مزاج اور تشریع کے اصول کا بھی پورا واقف اور ماہر ہو، وہ غور کرے اور کتاب و سنت کے مقصد و منشا کو سمجھے۔ اب ہم لوگ جو دین کے فہم میں بھی سلف صالحین کی برتری کے قائل ہیں اس لیے ان کے اتباع میں سلامتی سمجھتے ہیں۔ ہمارا اصول اور طریق کار تو یہ ہے کہ جب ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ سلف صالحین نے اس بارہ میں کتاب و سنت کا منشا یہ سمجھا ہے، اور ان سب کا یا جمہور سلف کا یہ متفقہ مسلک ہے تو ہم صرف اُسی کو صحیح سمجھتے ہیں اور اسی کا اتباع ضروری جانتے ہیں اور اس کے خلاف ہر نئی رائے کو تسویلِ شیطانی سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ سلف صالحین کا اتباع نہیں چاہتے اور جن کو اُن کے علم و فہم سے زیادہ اپنے علم و فہم پر اعتماد ہے وہ اپنی رائے اور اپنی سمجھ کا اتباع کرتے ہیں اور کتاب و سنت کا نام لے کر دوسروں کو بھی اپنے ہی اتباع کی دعوت دیتے ہیں۔

بس ہمارے اور ان کے طرزِ فکر اور طرزِ عمل میں فرق یہ نہیں ہے کہ وہ دین میں اصل سند کتاب و سنت کو قرار دیتے ہیں اور ہم سلف صالحین کو۔ بلکہ یہ ہے کہ ہم کتاب و سنت کا منشا متعین کرنے کے بارے میں سلف صالحین کے فہم و فکر کو زیادہ قابلِ اعتماد سمجھتے ہیں، اور وہ اپنے خیالات اور اپنے فہم پر زیادہ بھروسہ

کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دُوسرے لوگ بھی بجائے سلف کے ان کی تقلید کریں۔

خوارج کا قرآنی نعرہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب

گویا بالکل وہی معاملہ ہے جو خوارج اور سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک جگہ خوارج کا مجمع تھا۔ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو سمجھانے کیلئے تشریف لے گئے، خوارج نے شور مچایا کہ ہم بس کتاب اللہ کی مانیں گے، ہم سے جو کچھ منوانا ہو قرآن سے منواؤ، ہم قرآن کے سوا کچھ نہیں سُننا چاہتے (جیسا کہ آج کل کے بھی بہت سے گمراہ فرقے ایسے ہی نعرے لگایا کرتے ہیں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید ہاتھ میں لیا اور اس کو اوپر اُٹھا کے فرمایا "ایھا المصحف حدث، ایھا المصحف حدث" یعنی اے قرآن بول، اے قرآن اِن سے کچھ کہہ" جس معاملہ میں یہ جھگڑا کر رہے ہیں اس کی حقیقت ان کو بتلا، بار بار یہی فرمایا، پھر کچھ دیر خاموش رہ کر خوارج سے مخاطب ہو کر فرمایا تم نے دیکھ لیا قرآن میرے کہنے سے بھی کچھ نہیں بولا۔ گویا اس تدبیر سے انہیں بتلایا کہ قرآن کی پیروی کی صورت یہی ہے کہ جو قرآن کے جاننے والے اور سمجھنے والے ہیں وہ جو کچھ قرآن سے سمجھ کر بتلائیں اُس کی پیروی کی جائے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ احمقو! جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست قرآن کو اور دین کو حاصل کیا کیا تم سمجھتے ہو کہ تم ان سے زیادہ قرآن کو اور دین کو سمجھنے والے ہو؟ پھر آپ نے ان کے خیالات اور شبہات کا تفصیلی رد کیا۔

اس واقعہ سے مجھے صرف یہ بتلانا تھا کہ ہمارے اس زمانے کے جو لوگ اور جو نئے فرقے اتباع سلف کے اصول کے قائل نہیں اور کہتے ہیں کہ ہم صرف کتاب وسنت

کو مانتے ہیں، دراصل ان کی ذہنیت بالکل وہی ہے جو اُن خوارج کی تھی۔ اور وہ لوگوں کو سلف کے اتباع سے توڑکر اپنے متبعین میں داخل کرنا چاہتے ہیں، اور جو سادہ لوح ان کی بات مانتے ہیں وہ درحقیقت سلف صالحین کے اتباع سے آزاد ہوکر خود ان کے متبع اور مقتدی بن جاتے ہیں اور اسی سے اُمت میں نئے نئے فرقے اور نئے نئے گروہ پیدا ہوتے ہیں۔

بہرحال دین کے بارے میں سلف صالحین پر اعتماد اور ان کا اتباع ہمارے نزدیک نہایت ضروری ہے اور اسی میں عام مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت ہے۔ فروع اور فقہی مسائل میں ہمارے نزدیک ائمہ حق کی تقلید اور سلف کے اتباع ہی میں سلامتی ہے خصوصاً ہمارے اس زمانہ میں جبکہ اجتہاد اتنا آسان اور ارزاں ہوگیا ہے کہ جو لوگ قرآن وحدیث کے اردو ترجمے بھی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے وہ بھی اپنے کو اجتہاد کا حقدار سمجھتے ہیں۔[1]

اجتہاد کا حق اور اختلافِ ائمہ کی حقیقت

یہاں عام طور پر علوم دینیہ کی بجائے اعلیٰ تعلیم یافتہ، ذہین اور نیک دل مخلص، غیر متعصب حضرات مثلاً ڈاکٹر، انجینیئر، وکلا اور دیگر فنون کے ماہرین کو ایک مغالطہ لگ جاتا ہے۔ خصوصاً وہ جو کچھ عربی زبان بھی جانتے ہوں کہ ہمارے پاس قرآن پاک کا ترجمہ ہے اور حدیث کی کتابیں بھی ہیں اور ہم کچھ تعلیم یافتہ بھی ہیں ہم کو جو مسئلہ حدیث پاک کے مطابق ملے گا اس پر عمل کریں گے، تقلید کی ضرورت تو اَن پڑھ لوگوں کو ہے، دراصل یہ خیال دینی علوم کی نوعیت اور وسعت سے ناواقفیت کی بنا پر ہوجاتا ہے۔

---

[1] ماخوذ از دین دستور یعت

قرآن وحدیث کے اردو ترجموں سے ترغیب وترہیب کے مضامین اور یقین وایمان میں زیادتی یا اثر سے خوف ومحبت اور تعلق بڑھایا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ چیزیں مسائل کے مقابلہ میں بہت اہم اور مقدم ہیں، لیکن ان صفات کا تقاضا جو طاعت وعمل ہے اس کے لیے احکام کا معلوم ہونا ضروری ہے جو حکمت ورحمت کی بنا پر قرآن وحدیث میں اس طرح سے موجود ہیں کہ وہاں تک ہر کسی کی رسائی ممکن نہیں، اس کے لیے بہت زیادہ علم کی ضرورت ہے، بلکہ صرف اس ضرورتِ علم کو جاننے کے لیے بھی کچھ علم کی ضرورت ہے۔ قرآن وحدیث سے احکام ومسائل نکالنے کے لیے جن علوم کی ضرورت ہے کم از کم ان کے نام اور ان سے متعلقہ کتب کے صرف نام ہی کسی کو معلوم ہوں تو وہ وسعتِ علم کا کچھ اندازہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا تعلیمیافتہ حضرات کو دنیاوی علوم ہی کی مثال سے عرض کیا جا سکتا ہے کہ کوئی ذہین انجنیئر یا وکیل طب کی کسی کتاب سے حفظانِ صحت سے متعلق کچھ ہدایات، عام امراض کی کوئی دوا تو معلوم کر سکتا ہے لیکن وہ کتاب کو محض پڑھ سکنے کی بنا پر اپنا یا کسی بیمار کا علاج شروع کر دے تو خطرناک ہوگا اس کو کسی ڈاکٹر ہی کی تقلید کرنا ضروری ہے، ایسے ہی ڈاکٹر صاحب کو مقدمہ میں وکیل صاحب سے رجوع کرنا ہوگا، حالانکہ عام قوانین تو ہر تعلیمیافتہ کو معلوم ہوتے ہیں۔

دین بیشک آسان ہے لیکن ہر آسان چیز کا حصول اس کے مقررہ طریقہ سے آسان ہوتا ہے۔ کیسا ہی مسئلہ ہو کسی معتبر مفتی صاحب سے جا کر پوچھ لو، اگر بالفرض مفتی صاحب سے غور کے بعد غلطی ہو جائے تو نہ آپ کے دین میں کوئی کمی آئے گی اور نہ ہی مفتی صاحب کو کوئی گناہ ہوگا، کیا یہ آسانی نہیں؟

حاصل یہ کہ مسائل شرعیہ کے ساتھ یہ ڈھیلی اور سطحی سوچ عام طور پر علوم دینیہ کی وسعت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی دیگر

وجوہات بھی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ مسائلِ دینیہ میں اس رویہ کے غلط ہونے کی کھلی علامت یہ ہے کہ دینی علوم میں جتنا بڑا عالم دیکھو گے وہ سلف صالحین کے اتباع میں اتنا ہی زیادہ پابند ہوگا، اور کوئی جتنا علم میں ناقص ہوگا اتنا ہی آزاد خیال اور بزعم خود روشن خیال ہوگا۔

اس کے بعد یہاں ایک اور وضاحت کی ضرورت ہے جو کہ دراصل ایک علمی بحث ہے اور حضرات علماء کے نزدیک تو بالکل صاف اور آسان ہے لیکن عوام کے لیے کچھ مشکل ہے، آجکل طبائع کا حال ایسا ہوگیا ہے کہ چاہے اہلیت نہ ہو مگر لوگوں کو کچھ نہ کچھ سمجھے بغیر اطمینان نہیں ہوتا اس لیے عوامی سطح پر تھوڑا سا لکھتے ہیں وہ یہ کہ اس بات کا بھی خیال رہے کہ جب ائمہ کرام کی تقلید ضروری ہوئی اور ان حضرات کی کوششوں کے نتیجہ میں اختلاف ہونا عقلاً ضروری اور تقلید شرعاً جائز ہے، ہر ایک امام کا اپنا قول راجح ہوگا اور دوسرے اقوال مرجوح ہوں گے (راجح کا مطلب اس امام کے نزدیک زیادہ سے زیادہ سنت کی منشاء کے مطابق ہونا اور مرجوح کا مطلب اس کے برعکس ہے) اب جبکہ ہمیں ان ائمہ کرام کے اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دینے کی اہلیت حاصل نہیں تو ہمارے لیے ضروری ہوا کہ صرف ایک ہی امام کی تقلید کریں تاکہ عمل کرنے میں ہمیں اپنی سہولت یا خواہش کے دخل کے بجائے محض اطاعتِ الٰہی ہی کا جذبہ ہو، ورنہ اتباعِ سنت کے بجائے اتباعِ ہوا میں پھنس جانا ضروری ہے۔

اور یہ اصول اور طریقہ کار کہ چاروں اماموں کو حق پر سمجھتے ہوئے اور ہر ایک کے پاس کتاب وسنت کی روشنی میں دلیل ہونے کے اعتماد پر ان کے مختلف اقوال میں سے کسی مسئلہ میں ایک امام کے قول پر عمل کرنا اور دوسرے مسئلہ میں دوسرے امام کے قول پر عمل کرلینا یہ بات بالاتفاق چاروں ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے اور دین کو

کھیل بنانا ہے۔ مثلاً عورت کو ہاتھ لگانے سے امام شافعیؒ کے یہاں وضو ٹوٹ جاتا ہے اور حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، اور خون نکلنے سے حضرات شوافع کے یہاں وضو نہیں ٹوٹتا اور احناف کے یہاں ٹوٹ جاتا ہے۔ اب کوئی شخص اپنی بیوی کو ہاتھ لگائے تو کہے کہ حنفیوں کے ہاں جائز ہے میرا وضو نہیں ٹوٹا پھر جب اس کے جسم سے خون نکلے تو کہہ دے کہ میرا وضو باقی ہے کیونکہ شوافع کے یہاں خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، حالانکہ ایسے جاہل مرکب (جو بے علم کر اپنے کو عالم سمجھے) کا وضو بالاتفاق ٹوٹ گیا۔

جیسا کہ شروع میں بھی لکھ دیا تھا کہ کتاب وسنّت پر پورا اور اخلاص سے عمل کرنے کیلئے ہی ائمہ ہدیٰ کا اتباع کیا جاتا ہے، یہ موضوع بہت طویل ہے، اس پر مستقل تصانیف ہیں، یہاں تو صرف مختصر بیان کرنا تھا کہ حج کے مسائل میں اپنی رائے پر چلنے کا کیا نتیجہ ہوگا۔ مثال کے طور پر وضو ٹوٹنے کا مسئلہ لکھا ہے، اب ایک مثال حج ہی کے مسئلہ کی لکھی جاتی ہے، اس پر جس طرح سے آجکل عمل ہو رہا ہے اس کا اتباعِ ھویٰ اور اخلاص کے منافی ہونا تھوڑا سا غور کرنے پر ظاہر ہو جائے گا۔

اتّباعِ ہوا کا نتیجہ

ایامِ تشریق کی راتیں منیٰ میں گذارنا حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک سُنّت ہے اور اس کو چھوڑنا ان کے یہاں گناہ ہے، اگرچہ چھوڑنے پر دم واجب نہیں ہے مگر باقی تینوں ائمہ کرام حضرت امام شافعیؒ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں راتوں کا قیام واجب ہے اور اس کو چھوڑنے پر دم یا جزا واجب اور گناہ اس کے علاوہ (راتوں کے قیام کی مقدار اور جزا میں مسائل ہیں)۔

اور سر کا حلق کرانے میں مذہب الشافعیہ میں چند بال کاٹنے کافی ہیں، لیکن

حضرت امام مالکؒ کے یہاں قرآنِ پاک کی آیت اور حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عمل کے مطابق پورے سر کا حلق یا قصر ضروری ہے۔ اور حضرات حنابلہ کے یہاں اکثر حصہ سر کا حلق یا قصر احرام سے حلال ہونے کے لیے واجب ہے۔ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ (امامِ اعظم اور حنفیوں کے امام) نے قرآنِ پاک کی آیت اور اس کے مثل مسح کے حکم کی آیت پر قیاس کرتے ہوئے سنت سے ربع سر یعنی چوتھائی سر کے حلق یا قصر کو احرام سے حلال ہونے کے لیے واجب قرار دیا ہے لیکن چوتھائی سر پر اکتفاء کرنا ہمارے امامِ اعظم کے یہاں ترکِ سنت کی وجہ سے مکروہ ہے۔ اور صرف ربعِ سر کا حلق کرنا ہر حالت میں (احرام ہو یا بلا احرام) مستقل بھی مکروہ ہے۔ پھر پورے سر کا حلق چاروں ائمہ کے نزدیک افضل ہے اس کے بعد پورے سر کا قصر۔

اب انصاف و اخلاص سے غور کریں کہ مکہ مکرمہ، جدہ، مدینہ منورہ کے مقیمین کا (جن کو مکہ مکرمہ کا احترام اور حج کے مناسک کی ادائیگی یا پورے آداب کو بجالانا باہر والوں سے زیادہ ضروری ہے، ایک تو شرفِ اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ کی بناء پر، دوسرے یہ کہ ان دوسرے باہر کے حجاج کی طرح حج یا عمرہ کرنے میں اخراجات اور مشقت اٹھانا نہیں پڑتی یعنی باہر والوں کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر، تیسرے یہ کہ یہ حضرات باہر دور سے آنے والوں کے لیے بطور نمونہ اور معلم کی حیثیت سے ہوتے ہیں، ان کے عمل کی کوتاہی کا باہر والوں پر بھی اثر پڑتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ حضرات مسائل سے زیادہ واقف سمجھے جاتے ہیں) حال یہ ہے کہ جب منیٰ میں قیام کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو ان میں سے بعض حضرات اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر اپنے گھروں (مکہ اور جدہ) میں چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کوئی بات نہیں، ہم تو حنفی ہیں، ہمارے یہاں منیٰ کا قیام سنت ہی تو ہے اس پر کوئی دم تو نہیں ہے، اور جب سر منڈانے کا وقت آتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ بس تین بال کٹوانا کافی ہے

کیونکہ امام شافعیؒ کے یہاں جائز ہے۔ حالانکہ تینوں اماموں کے نزدیک وہ اس طرح سے احرام سے نہیں نکلے گا، اندازہ لگائیں کہ کتنے گناہوں کا مرتکب ہونا پڑے گا ۔؎

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اسی طرح بھی سلوک حج کے دوسرے واجب رمی کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ بغیر شرعی اجازت کے عورتیں مرد اپنی کنکریاں دوسروں کے حوالہ کرکے آجاتے ہیں۔ اب غور کریں کہ نفلی حج (جس کو اللہ نے واجب نہیں کیا تھا) کا احرام باندھ کر حج کے مناسک اپنے اوپر واجب کر لینے کے بعد ان کی خلاف ورزی کرکے وہ کچھ کما کر لوٹتے ہیں یا کھو کر ۔؎

کس لیے آئے تھے اور کیا کر چلے
تہمتیں چند اپنے ذمہ دھر چلے

دراصل اجتہادی مسائل میں چاروں اماموں کے مختلف اقوال کے حق ہونے کا مطلب مطلق حق ہونا نہیں ہے یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے، بلکہ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً ایک مجتہد کتاب وسنت میں غور وفکر اور کوشش کے بعد ایک مسئلہ کو حق قرار دیتا ہے لیکن مسئلہ چونکہ منصوص تو ہے نہیں لہٰذا دوسرے مجتہد کی رائے ہیں بھی حق کا احتمال ہے، لہٰذا احتمال کا لحاظ شرع کی خلاف ورزی سے بچنے کے لیے بطور احتیاط کرنا تو اچھا ہے نہ کہ ایک چیز کو حق سمجھتے ہوئے اپنی غرض کی خاطر اس کو چھوڑ کر احتمال پر عمل کرے، پس اتباع سنت وشریعت کے حریص کی کوشش تو یہ ہونا چاہیئے کہ جہاں ممکن ہو وہاں ہر امام کے خلاف سے بچنے کی صورت اختیار کرے۔ مثلاً وضو کے مسئلہ مذکورہ میں حنفی کو چاہیئے کہ عورت کو چھونے کے بعد وضو

تازہ کر لینے کو بہتر سمجھے کہ اختلاف کی وجہ سے وضو ٹوٹنے کا احتمال تو ہے ہی.
ایسے ہی شافعی کو چاہیئے کہ خون نکلنے پر وضو تازہ کرے ۔ چنانچہ اسی اصول پر
فقہاء نے احکام کے مراتب قرار دیئے ہیں۔ (یعنی واجب، سنت مستحب، مکروہ وغیرہ)
الحاصل مذکورہ بالا جہالت کے طریقہ پر تو کسی بھی امام کی تقلید نہ ہوئی ،
کیونکہ وہ اپنے امام کے راجح قول کو اپنی غرض سے بلا دلیل چھوڑ کر اسی امام کے
مرجوح قول پر عمل کر رہا ہے ، ہاں کتاب وسنت سے دلیل سمجھ کر کوئی ایسا کرے تو
دوسری بات ہے۔ یعنی اگر کوئی اتنا بڑا متبحر عالم ہو جس کو کتاب وسنت سے مسائل
کا استنباط (مسائل کا سمجھ کر نکالنا) اور اجتہاد کرنے کا ادنیٰ درجہ بھی حاصل ہو،
(کیونکہ علمی مرتبے کے لحاظ سے مجتہدین کے سات طبقے ہیں) اور وہ کتاب وسنت
کی روشنی میں غیر منصوص مسائل میں ایک امام کے قول کو دوسرے امام کے قول
پر ترجیح دینے کی صلاحیت واہلیت رکھتا ہو تو وہ کسی مسئلہ میں اپنے امام کے
علاوہ دوسرے امام کے قول کو اختیار کر سکتا ہے ، یہی اصول اس بات کی دلیل
ہے کہ فروعی واجتہادی مسائل میں اتباع ہوا اور جہالت سے بچ کر خالص اتباعِ
سنت کیلئے ذریعے کے طور پر ائمہ ہدیٰ میں سے کسی بھی ایک امام کی تقلید کرنا ضروری ہے نہ کہ خدانخواستہ
نعوذ باللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول کو ماننا۔ ہمارے
بزرگوں کے نزدیک حدیث صریحہ غیر متعارضہ کے مقابلہ میں کسی کے قول کو ماننا بہت تعصب
اور بے دینی کی بات ہے، تقلید میں ایسا غلو تقلید کو بدنام کرتا ہے ۔

یہ کتاب چونکہ اردو خواں حضرات کے لیے مرتب کی جا رہی ہے جو اکثر و بیشتر حنفی المذہب ہیں
اسلئے وہ امام اعظمؒ کے مسلک کے مطابق حج کرنے کے مکلف ہیں ۔ اب دوسری فصل میں حنفی علماء
کی تحقیق کے مطابق مسنون طریقہ حج گذشتہ صدی کے عظیم محدث اور فقیہ حضرت گنگوہیؒ کی کتاب
اور اس کی شرح سے بیان کیا جاتا ہے ۔

فصل دوم

متعدد مصالح کی بنا پر (جن کی تفصیل پیش لفظ میں ہے) ہمارا ارادہ اس کتاب میں بہت اختصار کا ہے، اس لیے مسائل میں بھی ان بہت سی ضروری چیزوں کو نہیں لکھا جائے گا جن کا عام طور پر علم ہوتا ہے اور لوگوں کا عمل بھی۔ لیکن بعض ضروری باتیں ایسی بھی ہیں جن پر علم کے باوجود توجہ نہیں دی جاتی، ان کو انشاء اللہ العزیز مکرر، سہ کرر بھی لکھیں گے۔ چنانچہ پہلی فصل میں بھی گذر چکا کہ مسافران حرم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مہمان قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ میں ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے کہ:۔

(۱) "حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اگر وہ دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں وہ بخشش چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بخشتے ہیں"۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب المناسک)

جس طرح میزبان کے ذمہ مہمان کے حقوق ہیں اسی طرح مہمان کے ذمہ میزبان کے بھی حقوق ہیں، ان کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ اگر حجاج اس نکتہ کو یاد رکھیں اور مہمانی کے اس عظیم شرف کا خیال رکھیں تو انشاء اللہ حج کے پورے زمانے میں عجیب لذت پائیں گے۔ حج کے مسائل، اس کے شرائط و ارکان و آداب، درحقیقت یہی وہ حقوق ہیں جو حق تعالیٰ کے مہمان کی حیثیت سے حجاج کے ذمہ عائد ہوتے ہیں، محض خشک مسئلوں کی حیثیت سے نہیں بلکہ حق تعالیٰ کے مہمان ہونے کے خیال سے ان پر عمل کرنا اور ان کا لحاظ رکھنا بیحد نفع بخش ہوتا ہے۔

(۲) حج کے تمام اعمال کا مقصد اور حاصل خدا کی یاد ہے۔ حج کے اعمال بجالانے

کے وقت اگر اس اصولی بات کو یاد رکھا جائے تو انشاء اللہ یہ ظاہری اعمال باطن میں بھی کچھ ذوق پیدا کریں گے۔ حضرت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے:۔

"کعبہ کا طواف، صفا مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمار (کنکریوں کا پھینکنا) صرف اللہ کی یاد کے لیے ہے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

فرض کر لیجئے کہ ایک شخص ایسا ہے جو حج کے ان اعمال کو پورا کرتا ہے مگر اس کا دل خدا کی یاد سے خالی ہے تو وہ اس شخص کا مقابلہ برکات و ثمرات کے اعتبار سے کیسے کر سکتا ہے جس کی ہر حرکت یادِ الٰہی کی برکت اپنے اندر رکھتی ہے۔[1]

حج و عمرہ

بیت اللہ شریف کے ساتھ بنیادی طور پر دو عبادتیں متعلق ہیں۔ ایک "حج" اور ایک "عمرہ"۔ عمرہ کو حجِ اصغر بھی کہتے ہیں۔ عمرہ تمام عمر میں بشرطِ استطاعت و قدرت سنتِ مؤکدہ ہے۔ اور رمضان میں عمرہ کرنے کا بہت ثواب ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "رمضان میں عمرہ (کا ثواب) ایک حج کے برابر ہے"۔ اور ایک روایت میں ہے کہ "اس حج کے برابر ہے جو میرے ساتھ کیا ہو"۔ یہ فضیلت ثواب کے متعلق ہے، عمرہ کرنے سے فرض حج معاف نہیں ہوتا۔

عمرہ کرنے کا طریقہ

طریقہ عمرہ کا یہ ہے کہ میقات سے احرام باندھ کر رمل اور اضطباع کے ساتھ طواف کرے، اور اول استلام کے ساتھ تلبیہ ختم کر دے اور دوگانہ طواف ادا کر کے پھر ایک استلام حجرِ اسود کا کر کے سعی درمیان صفا و مروہ کے کرے اور سر منڈا دے یا قصر کرے۔ عمرہ میں دو فرض ہیں ایک احرام

---

[1] ماخوذ "آپ حج کیسے کریں"

دوسرا طواف، اور دو واجبات ہیں ایک سعی کرنا دوسرا سر منڈانا۔[1]

عمرہ کے متعلق کچھ مسائل ہیں اور اس کے احکام کے متعلق بھی طریقہ اور مسائل کی تفصیل ہے جو اسی کتاب کے حصہ دوم میں درج ہے، ان سب کا حوالہ نمبر وار درج کیا جاتا ہے۔

		ملاحظات (حکم)
(۱) عمرہ کے مسائل	ص ___ سے ص ___ تک ملاحظہ کریں	
(۲) میقات کے مسائل	ص ___ // ص ___ // //	واجب
(۳) احرام کے مسائل	ص ___ // ص ___ // //	شرط و فرض
(۴) رمل و اضطباع	ص ___ // ص ___ // //	سُنّت
(۵) طواف	ص ___ // ص ___ // //	فرض
(۶) دوگانہ طواف	ص ___ // ص ___ // //	واجب
(۷) سعی صفا مروہ	ص ___ // ص ___ // //	واجب
(۸) سر منڈانا	ص ___ // ص ___ // //	واجب

ملحوظہ:- (۱) مندرجہ بالا تمام کام حج میں بھی کرنے پڑتے ہیں۔ مسائل کی تفصیل حج میں بھی ان احکامات میں ایک ہی سی ہے، حج میں جہاں فرق یا اضافہ ہے وہ حج میں بیان کر دیا جائے گا۔ انشاء اللہ

(۲) حصہ دوم میں مندرجہ بالا احکامات (مناسک) کے کثیر الوقوع مسائل کافی تعداد میں درج ہیں، مگر پھر بھی کچھ مشکل اور نہایت قلیل الوقوع اور متفرق مسائل کو حصہ سوم میں درج کریں گے جن کی عام طور پر ضرورت نہیں پڑتی، اور فصل سوم زیارت کے متعلق ہے۔

---

[1] زبدہ و معلم الحجاج

حج

حج مخصوص زمانہ میں مخصوص افعال کے ساتھ بیت اللہ شریف (اللہ کے گھر) کی زیارت کے قصد اور حاضری کو کہتے ہیں۔ اللہ پاک کے ارشاد: وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ؕ میں حج کی فرضیت کے ساتھ خلوصِ نیت کی طرح فرضیت کی شرط استطاعت بھی ہے۔ محبوبِ حقیقی کے دربار کی حاضری کا شوق ہونا تو ایمان کے لوازمات میں سے ہے، اگرچہ عشق کا تقاضہ ہے اور کوئی مومن محبت سے خالی نہیں۔ مگر یہی محبت کے تقاضہ کو پورا کرنا محبوب کے یہاں اسی وقت قبول ہوتا ہے جبکہ تقاضہ پورا کرنے کی اجازت ہو اور اس کی منشاء کے مطابق کیا جائے۔ بادشاہوں کے بادشاہ رب العالمین کے دربار کی حاضری کے لیے جیسے کچھ آداب ضروری ہوتے ہیں اسی طرح کچھ شرائط بھی ہیں۔ چنانچہ حج کے لیے چار شرطیں ہیں:۔

(۱) شرائط وجوب (۲) شرائط وجوب ادا (۳) شرائط صحت ادا (۴) شرائط وقوع فرض۔

شرائط وجوب

یہ وہ شرطیں ہیں جن کے پائے جانے سے حج فرض ہو جاتا ہے اور ان میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو حج بالکل فرض نہیں ہوتا، اور کسی دوسرے سے حج کرانا اور حج کرانے کی وصیت کرنا بھی واجب نہیں ہوتا۔ اس قسم کی سات شرطیں ہیں:۔

(۱) اسلام (۲) حج فرض ہونے کا علم ہونا (۳) بلوغ (۴) عقل (۵) آزاد ہونا (۶) استطاعت وقدرت (۷) حج کا وقت ہونا۔

شرائط وجوب ادا

یہ وہ شرائط ہیں کہ حج کا وجوب تو ان کے پائے جانے پر موقوف نہیں لیکن ادا کرنا ان شرائط کے پائے جانے کے

دقت واجب ہوتا ہے، اگر شرائط وجوب اور شرائط وجوبِ ادا دونوں موجود ہوں تو پھر انسان کو خود حج کرنا فرض ہے، اور اگر شرائط وجوب تمام موجود ہوں لیکن شرائط وجوبِ ادا میں سے کوئی شرط نہ پائی جاتی ہو تو پھر حج خود کرنا واجب نہیں ہوتا، بلکہ ایسی صورت میں اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص سے فی الحال حج کرانا یا بعد میں حج کرانے کی وصیت کرنا واجب ہوتا ہے، اس قسم کی پانچ شرطیں ہیں:۔

(۱) تندرست ہونا (۲) قید یا بادشاہ کی طرف سے ممانعت نہ ہونا (۳) راستہ پُرامن ہونا۔ (یہ تین شرائط تو عورت مرد سب کے لیے ہیں)۔ (۴) عورت کے لیے محرم ہونا (۵) عورت کا عدت سے خالی ہونا۔ یہ اخیر کی دو شرطیں عورتوں کے لیے زائد ہیں۔

شرائط صحت ادا یعنی وہ شرطیں جن کے بغیر حج صحیح نہیں ہوتا۔

شرائط وقوع فرض یعنی وہ شرائط جن کا پایا جانا حج کے فرض واقع ہونے اور ذمہ سے ساقط ہونے کے لیے ضروری ہے۔

مندرجہ بالا چاروں شرائط کے متعلق کچھ مسائل ہیں، ان کا لحاظ نہ کرتے ہوئے شوق میں جو مرد یا عورت حج کو چل دے وہ اپنا ہی شوق پورا کرتا ہے نہ کہ رضائے الٰہی حاصل کرتا ہے، کیونکہ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيعٌ ۔۔۔ یعنی محبت تو اپنے محبوب کے احکامات کو ماننے والا ہوتا ہے اور جو سچا محبت مسائل شرعیہ (جو کہ محبوب کی میزانِ رضا ہے) کے احترام میں حج سے رکا رہے اور شرعی اجازت میسر آنے تک صبر کرے تو انشاء اللہ اس کا جذبہ اور تڑپ ہی مقصودِ اصلی (رضاء و قرب) کے حاصل ہو جانے میں کافی ہو جائے گا، وہ ثواب میں کسی حج سے کم نہ ہوگا۔ لہٰذا شرائط حج کے مسائل کو غور سے معلوم کر لیں۔ شرائط کے مسائل حصہ دوم میں مندرجہ ذیل

فہرست مضامین

حوالہ جات کے ساتھ درج ہیں:-

شرائط وجوب کے تفصیلی مسائل ص ـــ تا ص ـــ حصہ دوم

شرائط وجوب ادا " " ص ـــ تا ص ـــ "

شرائط صحت ادا " " ص ـــ تا ص ـــ "

شرائط وقوع فرض " " ص ـــ تا ص ـــ "

حج کرنے کا طریقہ

حج کرنے کے تین طریقے ہیں (۱) افراد (۲) تمتع (۳) قران۔ ان میں قران افضل ہے۔ وہ یہ کہ اپنی میقات سے حج کے (شوال، ذیقعدہ، عشرۂ ذوالحجہ) مہینوں میں حج اور عمرہ کا ایک ہی دفعہ احرام باندھ کر پہلے عمرہ کرے اور بال نہ کٹوائے پھر حج کے دنوں میں حج کے مناسک (اعمال) پورے کر کے حج اور عمرہ سے (سر منڈوا کر) اکٹھا فارغ ہو۔ اور تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھ کر آئے، اور عمرہ کر کے سر منڈوا دے (جس سے احرام کھل جاتا ہے) پھر آٹھ ذی الحجہ کو حج کے لیے دوبارہ احرام باندھ کر حج کے مناسک پورے کر کے فارغ ہو جائے۔ اس طریقہ میں حج اور عمرہ کے درمیان کی مدت بغیر احرام کے ہوتی ہے جس میں احرام کی پابندیاں نہیں ہوتیں اس لیے یہ ہی آسان ہے۔ اور افراد یہ ہے کہ حج سے پہلے الگ یا حج کے ساتھ عمرہ نہ کرے، اپنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھے اور حج پورا کر کے فارغ ہو، درمیان میں کوئی عمرہ نہ کرے۔ عمرہ کا طریقہ تو پہلے لکھ دیا ہے، اب یہاں افراد حج کا اجمالی طریقہ لکھا جاتا ہے۔

حج افراد کا طریقہ

میقات پہنچ کر صرف حج کا احرام باندھے، پھر مکہ مکرمہ پہنچ کر طواف قدوم کرے، پھر آٹھ ذوالحجہ تک مکہ مکرمہ میں طواف اور عبادت کرتا رہے۔ آٹھ ذوالحجہ کو ظہر سے پہلے منیٰ چلا جائے آٹھ کی ظہر سے نو کی فجر تک پانچ نمازیں وہاں پڑھے اور نو کی رات منیٰ میں گذارے، نو تاریخ کو

سورج[۵] نکلنے کے بعد عرفات کو روانہ ہو جائے، عرفات[۶] میں زوال[۷] سے پہلے غسل کر لے، زوال سے غروب تک وہاں وقوف[۸] کرے، غروب کے بعد مزدلفہ[۹] کو روانہ ہو جائے، وہاں عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی[۹] پڑھے، پھر طلوعِ فجر کے بعد وقوفِ[۱۰] مزدلفہ کرے اور رمی کے لیے کنکریاں[۱۱] اٹھالے اور طلوع سورج سے ذرا پہلے منیٰ کو چل دے، جاتے ہی جمرۂ[۱۲] عقبہ کی رمی کرے، رمی کے بعد قربانی[۱۳] کرے، پھر سر[۱۴] منڈوا کر کپڑے پہن لے، اور مکہ مکرمہ پہنچ کر طواف[۱۵] زیارت پھر صفا مروہ کی سعی[۱۶] کر کے منیٰ واپس آجائے، رات منیٰ میں ٹھہرے اور ایام قربانی کی باقی راتیں[۱۷] بھی منیٰ میں گذارے، پھر دوسرے دن ۱۱ ذی الحجہ اور ۱۲[۱۸] ذوالحجہ کو تینوں جمروں کی رمی کر کے واپس مکہ آجائے یا ۱۲[۱۹] ذوالحجہ کی رمی کر کے واپس مکہ آئے اور اپنی روانگی تک طواف اور عبادت کرتا رہے، جی چاہے تو ۱۳ ذوالحجہ کے بعد تنعیم سے احرام باندھ کر عمرے بھی کرتا رہے اور روانگی کے وقت طوافِ[۲۰] وداع کر کے مدینہ منورہ زیارت کو روانہ ہو جائے۔

مندرجہ بالا بیس افعال کا حکم یعنی شرعی درجہ مندرجہ ذیل نقشہ میں تحریر ہے، اور ان کے متعلقہ تفصیلی مسائل جو حصہ دوم میں درج ہیں ان کا حوالہ صفحہ نمبر بھی نقشہ میں تحریر ہے:۔

نقشہ افعالِ حج مع حکم اور مسائل کا حوالہ

نمبر شمار	افعال حج افراد	حکم	مسائل کا حوالہ حصہ دوم کا صفحہ نمبر	ملاحظات
۱	میقات سے احرام	واجب	از ص ___ تا ص ___	۱ و ۲ کے تمام مسائل عمرہ اور حج کی تینوں قسموں میں مشترک ہیں
۲	احرام	شرط	〃 ص ___ 〃 ص ___	۳ طواف
۳	طوافِ قدوم	سنت		۳ طواف کا طریقہ تو وہی عمرہ والا ہے مگر طواف قدوم کے مسائل الگ ہیں جو اس جگہ درج ہیں

نمبر شمار	افعال حج افراد	حکم	مسائل کا حوالہ حصہ دوم کا صفحہ نمبر	ملاحظات
۴	۸ کی ظہر سے ۹ کی فجر تک پانچ نمازیں منیٰ میں	سنت		نمبر ۴، ۵ اس میں کوئی مسئلہ نہیں صرف آداب ہیں
۵	۹ کو سورج نکلنے کے بعد چلنا	سنت		
۶	وقوف	فرض رکن	از ص تا ص	
۷	غروب تک ٹھہرنا	واجب	" ص " ص	
۸	مزدلفہ ٹھہرنا	واجب	" ص " ص	
۹	مغرب عشاء اکٹھا پڑھنا	واجب	" ص " ص	
۱۰	وقوف مزدلفہ	واجب	" ص " ص	
۱۱	رمی کے لیے کنکری لینا	سنت	" ص " ص	
۱۲	رمی جمرۂ عقبیٰ	واجب	" ص " ص	
۱۳	قربانی (افراد میں)	مستحب	" ص " ص	
۱۴	حلق یا قصر	واجب	" ص " ص	
۱۵	طوافِ زیارت	رکن فرض	" ص " ص	
۱۶	سعی صفا مروہ	واجب	" ص " ص	
۱۷	راتیں منیٰ میں گذارنا	سنت	" ص " ص	
۱۸	۱۱، ۱۲ کو تینوں جمروں کی رمی	واجب	" ص " ص	
۱۹	اگر ٹھہرے تو ۱۳ کی رمی	واجب	" ص " ص	
۲۰	طوافِ وداع	واجب	" ص " ص	

نقشہ افعال قران

نمبر شمار	افعال	حکم	مسائل کا حوالہ	ملاحظات
۱	اکٹھا احرام حج وعمرہ	شرط	از ص ــــ تا ص ــــ	
۲	طواف عمرہ مع رمل [1]	رکن	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۳	سعی عمرہ	واجب	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۴	طواف قدوم مع رمل	سنت	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۵	حج کی سعی	واجب	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۶	وقوف عرفہ	رکن	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۷	وقوف مزدلفہ	واجب	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۸	رمی جمرۂ عقبیٰ	واجب	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۹	قربانی	واجب	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۱۰	حلق یا قصر	واجب	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۱۱	طواف زیارت	رکن فرض	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۱۲	رمی جمار	واجب	〃ص ــــ 〃ص ــــ	
۱۳	طواف وداع	واجب	〃ص ــــ 〃ص ــــ	

(نوٹ) ــ (۱) قران اور تمتع کے نقشہ جات میں صرف فرائض وواجبات لکھے ہیں پوری تفصیل افراد میں درج کی گئی ہے کیونکہ حج افراد کے اعمال تو ہر طریقۂ حج میں کرنے ہی ہیں (۲) اور جو تمتع کرنے والا ھدی ساتھ لے جائے، اس کے چند احکام حصہ دوم مسائل تمتع میں آجائیں گے، کیوں کہ ایسے حاجی بہت ہی شاذ ہوتے ہیں

[1] رمل سنت ہے۔

نقشہ افعال تمتع جبکہ ہدی ساتھ نہ ہو

نمبر شمار	افعال	حکم	مسائل کا حوالہ	ملاحظات
۱	احرام عمرہ	شرط	از ص تا ص	
۲	طواف عمرہ مع رمل	رُکن	〃 ص 〃 ص	
۳	سعی عمرہ	واجب	〃 ص 〃 ص	
۴	سر منڈانا یا قصر	واجب	〃 ص 〃 ص	
۵	عرفہ سے پہلے حج کا احرام باندھنا	شرط	〃 ص 〃 ص	
۶	وقوف عرفہ	رُکن	〃 ص 〃 ص	
۷	وقوف مزدلفہ	واجب	〃 ص 〃 ص	
۸	رمی جمرۂ عقبیٰ	واجب	〃 ص 〃 ص	
۹	قربانی	واجب	〃 ص 〃 ص	
۱۰	حلق یا قصر	واجب	〃 ص 〃 ص	
۱۱	طوافِ زیارت	رُکن	〃 ص 〃 ص	
۱۲	سعی (حج کی)	واجب	〃 ص 〃 ص	
۱۳	رمی جمار	واجب	〃 ص 〃 ص	
۱۴	طواف وداع	واجب	〃 ص 〃 ص	

حج بدل

فضائلِ حج بدل

جس نے اپنا فرض حج کر لیا ہو اس کو اپنے لیے نفل حج کرنے سے دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا افضل ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ جس نے میت کی طرف سے حج کیا تو میت کے لیے ایک حج لکھا جائے گا اور حج کرنے والے کے لیے سات حج ہوں گے۔

اور جابر بن عبد اللہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جس نے اپنے ماں باپ یا ماں کے لیے حج کیا ہے تو اس کے لیے دس حج شمار ہوں گے۔ (غنیہ کذا فی العمدہ)

مسئلہ:۔ اب جان لے کہ عمرہ اور حج نیابۃً بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے ادا کر دے۔ سو عمرہ اور حج نفل میں تو نیابت کے واسطے کوئی شرط نہیں البتہ کرنے والے میں اہلیت ہونی چاہیئے کہ وہ اسلام اور عقل اور تمیز رکھتا ہو (زبدۃ)

تنبیہ:۔ نفل حج اور عمرہ میں نیابت کے واسطے کوئی شرط نہ ہونے کے متعلق کچھ مسائل ہیں، جو حصہ دوم میں ص تا ص پر درج ہیں۔

اور فرض حج سے متعلق بہت تفصیل اور ضروری بیس شرطیں ہیں جن کا لحاظ نہ کرنے سے حج بدل ادا نہیں ہوتا، اس لیے ان شرائط کو غور سے سمجھ کر پڑھنا چاہیئے جو حصہ دوم ص تا ص پر درج ہیں۔

حج نذر حج یا عمرہ کی نذر ماننے سے حج یا عمرہ کرنا واجب ہو جاتا ہے، اس کے بھی کچھ مسائل ہیں جو حصہ دوم میں ص تا ص تک ملاحظہ کریں۔

احصار کا بیان

کبھی حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر کئی وجوہات کی بنا پر حج کرنے سے رکنا پڑ جاتا ہے، ان صورتوں میں احرام کھولنے کا طریقہ اور مسائل حصہ دوم میں ص تا ص تک ملاحظہ کریں، اور حج وعمرہ سے متعلق بعض متفرق مسائل حصہ دوم ص تا ص پر دیکھیں۔

باقی حج وعمرہ سے متعلق پیچیدہ قلیل الوقوع اور مختلف فیہ مسائل انشاء اللہ حصہ سوم میں درج کریں گے۔

یہ مسائل عام حجاج کرام کے لیے نہیں ہیں، شوق ہو یا ضرورت پڑنے پر کسی عالم دین سے پڑھوا کر سمجھیں اور اختلاف کی صورت میں جس مفتی پر اعتماد زیادہ ہو اس کے فتوے پر عمل کریں۔

اب فصل سوم میں فخرِ عالم حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا نمبر یہ بیان ہوگا۔

فصل سوم

رحلہ سعیدہ الی مدینۃ المنورۃ علی منورھا الف الف صلوٰۃ والسلام

مدینہ مدینہ، مدینہ مدینہ   مدینہ مدینہ، مدینہ مدینہ

محبت محبت، محبت محبت   محبت محبت، محبت محبت

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کی سعادت نصیب فرمائی ہے[1] جس نے آپ کو گناہوں سے ایسا پاک دھویا دھلایا کر دیا جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں اور جس[2] کا بدلہ جنت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔

جس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل یہ سعادت ملی اور جنہوں نے ہمارے لیے حج کے طریقوں کو کھول کر بیان فرما دیا، وہ ذاتِ گرامی فخرِ عالم خاتم النبیین حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ (اللہ کے لاکھوں درود و سلام ہوں اُن پر) ؎

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

انہیں کے اقدام عالیہ کی برکت سے عرب کا ایک شہر جس کا نام یثرب تھا جس کے معنی ملامت اور حزن کے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا نام طابہ رکھ دیا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] و [2] اس مضمون کی حدیثیں فصل اول میں گذر چکیں۔

کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کا نام طابہ رکھا ہے[1]۔ اور ایک روایت میں طیبہ بھی آیا ہے جس کے معنی پاکی کے بھی ہیں اور عمدگی کے بھی کہ یہ شرک کی گندگی سے پاک ہے۔ یا یہ کہ اس کی آب و ہوا عمدہ ہے۔ اور انہیں کی آمد سے یہ شہر روشن ہو گیا چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو یہاں کی ہر چیز روشن ہو گئی۔ (الحدیث) ؎

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ فطاب من طیبھن القاع والاکم نفسی الفداء القبر انت ساکنہ فیہ عفاف وفیہ الجود والکرم	اے بہترین ذات اُن سب لوگوں میں جن کی ہڈیاں ہموار زمین میں دفن کی گئیں کہ ان کی وجہ سے زمین اور ٹیلوں میں بھی عمدگی پھیل گئی۔ میری جان قربان اس قبر پر جس میں آپ مقیم ہیں کہ اس میں عفت ہے اس میں جود ہے اس میں کرم ہے۔

اسی ذاتِ اقدس نے جو یہاں مسجد بنائی اس میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد سے ہزار گنا زیادہ قرار دیا گیا سوائے مسجد حرام کے۔ اور ایک روایت میں پچاس ہزار بھی آیا ہے۔ انہیں کی مسجد اُن تین مساجد میں ہے جن کی زیارت کے لیے حدیث پاک میں سفر کی اجازت ہے، اور دنیا کی باقی کسی بھی مسجد کی زیارت کے لیے سفر جائز نہیں۔ جیسا کہ حدیثِ پاک میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نہ سفر کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف، ایک مسجد حرام، دوسری مسجد بیت المقدس اور تیسری میری یہ مسجد" ——— اور اسی مسجد میں ایک ایسا حصہ ہے جس کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ فرمایا گیا رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ ؕ وہی ذاتِ اقدس اس شہر میں آرام فرما ہے اور یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جو زمین کا حصہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے ملا ہوا ہے وہ ساری دنیا کی زمین سے افضل ہے۔

---

[1] مسلم شریف

بلکہ ابن عقیل حنبلیؒ سے نقل کیا گیا کہ وہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے۔ (عرش سے افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ مکان سے بے نیاز ہے اور زمین کے اس حصہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک موجود ہے[1])

لہٰذا زیارت کا شوق ایمان ومحبت کا تقاضا ہے کہ حج کر کے گناہوں سے پاک ہو کر اللہ کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو بھی جانا چاہیئے کہ سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بالاجماع اعظم قربات اور افضل طاعات سے ہے اور ترقی درجات کے لیے سب وسائل سے بڑا وسیلہ ہے، بعض علماء نے اہل وسعت کے لیے قریب واجب کے لکھا ہے[2]

خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے حد درجہ زیارت کی ترغیب دی ہے اس لیے الامام المحدث القسطلانیؒ المواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں "اِعْلَمُوْا اَنَّ زِیَارَۃَ قَبْرِہِ الشَّرِیْفِ مِنْ اَعْظَمِ الْقُرُبَاتِ وَاَرْجَی الطَّاعَاتِ، وَالسَّبِیْلُ اِلٰی اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَمَنْ اِعْتَقَدَ غَیْرَ ھٰذَا فَقَدِ انْخَلَعَ مِنْ رِبْقَۃِ الْاِسْلَامِ وَخَالَفَ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ وَجَمَاعَۃَ الْعُلَمَاءِ الْاَعْلَامِ" انتھٰی۔

(ترجمہ) جان لے کہ ان کی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) قبر شریف کی زیارت کرنا قرب خداوندی حاصل کرنے کے لیے بہترین ذریعہ ہے اور طاعات میں عمدہ طاعت ہے اور بلند درجے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اور جو اس بارے میں اس کے علاوہ کوئی اعتقاد رکھے تو وہ اسلام کی حدود سے خارج ہو جائے گا اور اس نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اکابر علماء کی مخالفت کی۔

---

[1] ماخوذ "فضائل حج" [2] ماخوذ "معلم الحجاج"

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا" (النساء ۶۴)

(ترجمہ) "اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنے نفس پر ظلم کر لیا تھا آپ کے پاس آجاتے اور آکر اللہ جل شانہٗ سے معافی مانگ لیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے معافی مانگتے تو ضرور اللہ جل شانہٗ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پاتے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ خود اپنے گنہگار بندوں کو ارشاد فرما رہے ہیں کہ اگر وہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری دیں اور اللہ سے معافی مانگیں اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ان کے لیے استغفار کریں (زائر اپنے لیے استغفار کی درخواست کرے) تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ اور حاضری کی یہ فضیلت جیسے دنیاوی زندگی کی حیات میں حاصل ہوتی تھی وہ اب بھی روضۂ اقدس پر حاضری سے حاصل ہوگی، کیونکہ حدیث پاک میں ارشاد ہے "کہ جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو ایسا ہے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی"۔ اور مشکوٰۃ شریف میں ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ "جس شخص نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت کی وہ مثل اس شخص کے ہے جس نے کہ میری زندگی میں زیارت کی ہو"۔

اس کے مثل ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ صحابی ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام (علیہم السلام) اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں (الانبیاء احیاء فی قبورھم الحدیث) تو یہ گویا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندگی میں کوئی شخص درِ دولت پر حاضر ہوا اور مکان کے باہر سے مل کر آنے [1] ——— اس کے علاوہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قبور کی زیارت کا حکم اور اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ "قبور کی زیارت

---

[1] فضائلِ حج

کرو کہ یہ موت کو یاد دلاتی ہے۔ قولہٗ صلی اللہ علیہ وسلم "فزوروا القبور فانها
تذکر الموت" جب عام قبروں کی زیارت کا حکم ہے تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم
کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے یہ ارشاد بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے۔

آداب زیارت

اس سفر کے آداب کون بیان کرسکتا ہے اور کون پورے کرسکتا ہے ؎

لو جئتکم قاصداً اسعیٰ علی بصری
لم اقض حقاً و ای الحق ادیت

اگر میں تمہاری خدمت میں پاؤں کے بجائے آنکھوں سے چل کر آتا تب بھی میں حق ادا نہ کرسکتا
تھا اور میں نے آقا تمہارا اور ہی کون سا حق ادا کیا جو بھی ادا کرتا۔

آداب اور محبت کے بارے میں ایک وضاحت ضروری ہے: اوّل یہ کہ
ادب اور محبت حکایت کی چیز نہیں ہے وہ ایک کیفیت ہے جو الفاظ اور عبارات سے
بالاتر ہے، مگر اس کا اظہار بعض اقوال اور افعال کے ذریعہ ہوجاتا ہے، اور یہ محبت کے
افعال اس قلبی کیفیت کے بڑھنے کا سبب بھی بنتے ہیں جبکہ ان محبت کے افعال
میں محبت اور ادب کی روح بھی ہو، وہ افعال محبوب کی راحت اور پسندیدگی
کے اعمال ہوتے ہیں، اس کے مقابلہ میں محبوب کی ناگواری اور تکلیف دینے والے
کام بے ادبی میں شمار ہوتے ہیں، وہ ہرگز محبت نہیں ہوتی محض تکلف ہوتا ہے
اور بعض وقت وہ شرک و بدعت جیسے مبغوض اعمال بن جاتے ہیں۔ اللہ کے حبیب
رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے بے حد محبت ہے ان
پر کسی امتی کا نقصان بے حد گراں گذرتا ہے، اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے
لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ

عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ یعنی مطلب یہ کہ تمہاری تکلیف ان پر بہت بھاری ہے اور تمہاری خیر خواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے۔ جب آپ تمام جہان کے اس قدر خیر خواہ ہیں تو خاص ایمانداروں کے حال پر ظاہر ہے کہ کس قدر شفیق اور مہربان ہوں گے۔ اسی لیے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ فرمایا گیا اور دوسری جگہ فرمایا گیا۔ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے ساتھ ان کے نفوس سے بھی زیادہ تعلق ہے۔

اب غور کریں کہ جب کوئی اُمتی سلام کے لیے حاضر ہو کر کوئی ایسی حرکت کرے جس سے اس کے دین کو نقصان پہنچے تو اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر تکلیف اور گرانی ہوگی۔ یہاں یہ بھی معلوم ہو کہ دیہاتی لوگ سوالات کرنے اور گفتگو کرنے میں عام طور پر عرفی آداب کی رعایت نہ کرتے تھے۔ ان سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گرانی نہ ہوتی تھی۔ اسی لیے بعض صحابہؓ آپ کی مجلس اقدس تک مسافروں کو پکڑ کر لایا کرتے تھے تاکہ ان کے ہر قسم کے سوالات سے خود بھی منتفع ہوں اور ایسی باتیں جن کو ادب کی وجہ سے یہ حضرات خود نہ پوچھ سکتے تھے وہ بھی معلوم ہو جائیں۔ (شمائل)

اپنی ذات کیلئے کسی سے ظلم کا بدلہ نہ لینا اور امر حق میں غصہ کی حالت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ لیا ہو۔ البتہ اللہ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کا ہتک ہونا۔ (مثلاً کسی حرام فعل کا کوئی مرتکب ہوتا۔

شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اسی میں آدمیوں کے حقوق بھی داخل ہیں) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غصہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا ـــــ ایک روایت میں ہے کہ جب امرِ حق میں تجاوز کیا جاتا تو اس وقت آپ کے غصہ کی کوئی شخص تاب نہ لا سکتا تھا۔ نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال مبارک کے بیان میں ہے کہ آپ کے ابرو خمدار باریک اور گنجان تھے۔ دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت اُبھر جاتی تھی۔ لہٰذا حاضری کے وقت ایسے افعال و اقوال جن میں شرک کی ذرا بھی بُو ہو، اس سے بچنا چاہیئے کہ یہ بے ادبی ہے، چاہے یہ کام کتنی ہی نیک نیتی اور محبت کے نام سے کئے جائیں۔ البتہ مغلوب الحال جس کو ہوش نہ رہی ہو وہ کسی ضابطہ کا مکلف ہی نہیں رہتا، اور باہوش باتمیز اگر بدتمیزی کرے تو وہ مجرم ہے اور محبت کا جھوٹا مُدعی ہے۔ بعض لوگ افعالِ شرکیہ کو محبت قرار دیتے ہیں، یہ جہالت ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے تنگ نظر غلو پسند خشک لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اور ادب کو شرک قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ مباحاتِ شرعیہ میں بزرگوں کے اتباع کو اُن کی عبادت کرنا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، ادب اور اتباع قرآن و حدیث کی نصوص کی رُو سے مطلوب ہے اور دُنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر احترام اس کا پاس ادب ملحوظ اور منظور رہے، اس کے لیے شریعت میں بڑے وسیع اور حکیمانہ انتظامات کئے گئے ہیں اور دُور رس ہدایات و احکامات دیئے گئے ہیں۔ ہم یہاں بطورِ نمونہ چند ایک لکھتے ہیں:۔ اللہ پاک کا ارشاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو آپ کے سامنے زور سے بولنے، آواز پر آواز بلند کرنے کی ممانعت میں ہے۔ سورۂ حجرات میں ہے: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ[1] اے ایمان والو اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی نہ کرو اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو اس طرح ان کے رو برو زور سے نہ بولا کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو) اس پر یہ وعید سنائی گئی ہے کہ اس سے اندیشہ ہے کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تم کو پتہ بھی نہ چلے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دے کر حجرہ مبارک سے بلانا اور چلا چلا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دینا ایک نہایت مکروہ فعل اور گستاخی قرار دیا گیا ہے۔ اسی سورۃ میں ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ[2] (جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں) عام آدمیوں کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اور آواز دینا بھی خلافِ ادب اور نامناسب قرار دیا گیا۔ سورۂ نور میں فرمایا لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا[3] (مومنو! پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو) ——— اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہراتؓ سے عقد کرنا ناجائز قرار دیا گیا، کہ ایسی حالت میں دل میں وہ عظمت و لحاظ اور وہ ادب و احترام قائم نہیں رہ سکتا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ضروری اور ایمان کی سلامتی کے لیے مفید و معاون ہے وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا[4] (اور تم کو یہ شایاں نہیں کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو، یہ خدا کے نزدیک بڑے گناہ کا کام ہے)

---

[1] الحجرات ۲ [2] ایضاً ۴ [3] النور ۶۳ [4] الاحزاب ۵۳

اللہ پاک نے ادب اور تعظیم کرنے کو تقویٰ کی علامت قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ[1] اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اعظم شعائر اللہ میں سے ہیں اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اتنا ہی کافی تھا کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور حبیب ہیں مگر امت پر شفقت کی بناء پر ہدایت کے لیے اپنے سے محبت کے ضروری ہونے کو خود محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا۔

طبرانی کی روایت ہے لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهٖ[2] (تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی ذات سے زیادہ محبوب نہ ہوں) صحیحین کی متعدد مشہور روایات میں باپ، اولاد اور تمام انسانوں کا ذکر ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے محبت اور ادب کے احکامات پر جس طرح عمل کرکے دکھلایا اس کی کچھ مثالیں محبوب العارفین حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کی کتاب "حکایاتِ صحابہ" سے مختصراً نقل کی جاتی ہیں؟ فرماتے ہیں۔

"محبت ہی ایک ایسی چیز ہے جو دل میں بس جانے کے بعد محبوب کو ہر چیز پر غالب کردیتی ہے، نہ اس کے سامنے ننگ وناموس کوئی چیز ہے نہ عزت وشرافت کوئی شئے (اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ سچی محبت نہیں کہلاسکتی) حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف سے اور اپنے محبوب کے وسیلہ سے اپنی اور اپنے پاک رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت عطا فرمائے تو ہر عبادت میں لذت ہے اور ہر تکلیف میں راحت ہے۔"

---

[1] الحج: ۳۲ [2] مشکوٰۃ ص ۱۲

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی محبت

(۱) ابتدائے اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ اپنے اسلام کو حتی الوسع مخفی رکھتا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس وجہ سے کہ ان کو کفار سے اذیت نہ پہنچے اخفاء کی تلقین ہوتی تھی۔ جب مسلمانوں کی تعداد انتالیس تک پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اظہار کی درخواست کی کہ کھلم کھلا علی الاعلان تبلیغ کی جائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اوّل انکار فرمایا، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اصرار پر قبول فرمالیا، اور ان سب حضرات کو ساتھ لے کر مسجد کعبہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تبلیغی خطبہ شروع کیا، یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ اسی دن اسلام لائے، اور اس کے تین دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے۔ خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے کفار و مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی باوجودیکہ مکہ مکرمہ میں ان کی عام طور سے عظمت و شرافت مُسَلّم تھی، اس قدر مارا کہ تمام چہرۂ مبارک خون میں بھر گیا۔ ناک، کان سب لہولہان ہو گئے تھے پہچانے نہ جاتے تھے۔ جوتوں سے لاتوں سے مارا، پاؤں میں روندا، اور جو نہ کرنا تھا سب ہی کچھ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیہوش ہو گئے۔ بنو تیم یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے کے لوگوں کو خبر ہوئی وہ وہاں سے اٹھا کر لائے کسی کو بھی اس میں تردد نہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وحشیانہ حملے سے زندہ بچ سکیں گے۔ بنو تیم مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اگر اس حادثہ میں وفات ہو گئی تو ہم لوگ ان کے بدلے میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے عتبہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مارنے میں بہت زیادہ بدبختی کا اظہار

کیا تھا۔ شام تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بیہوشی رہی، باوجود آوازیں دینے کے بولنے یا بات کرنے کی نوبت نہ آئی تھی، شام کو آوازیں دینے پر وہ بولے تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے"؟ لوگوں نے اس پر بہت ملامت کی کہ انہیں کے ساتھ کی بدولت یہ مصیبت آئی اور دن بھر موت کے منہ میں رہنے پر بات کی تو وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا جذبہ اور اُن ہی کی لَے۔ لوگ پاس سے اُٹھ کر چلے گئے کہ بددلی بھی تھی اور یہ بھی کہ آخر کچھ جان باقی ہے کہ بولنے کی نوبت آئی، اور آپ کی والدہ اُم خیر سے کہہ گئے کہ ان کے کھانے پینے کے لیے کسی چیز کا انتظام کردیں، وہ کچھ تیار کرکے لائیں اور کھانے پر اصرار کیا، مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہی ایک صدا تھی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا حال ہے، حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کیا گذری، ان کی والدہ نے فرمایا کہ مجھے تو خبر نہیں کہ کیا حال ہے؛ آپ نے فرمایا کہ ام جمیل (حضرت عمرؓ کی بہن) کے پاس جاکر دریافت کرلو کہ کیا حال ہے، وہ بیچاری بیٹے کی اس مظلومانہ حالت کی بیتابانہ درخواست کو پورا کرنے کے واسطے اُم جمیل کے پاس گئیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال دریافت کیا، وہ بھی عام دستور کے موافق اُس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں، فرمانے لگیں کہ میں کیا جانوں کون محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کون ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تیرے بیٹے کی حالت سُنکر رنج ہُوا، اگر تو کہے تو میں چل کر اس کی حالت دیکھوں۔ اُم خیر نے قبول کرلیا، وہ ان کے ساتھ گئیں اور حضرت ابوبکرؓ کی حالت دیکھ کر تحمل نہ کرسکیں، بے تحاشا رونا شروع کردیا کہ بدکرداروں نے کیا حال کردیا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کیے کی سزا دے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر پوچھا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا حال ہے؛ ام جمیل نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ سُن رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے

خوف نہ کرو، تو ام جمیل نے خیریت سنائی اور عرض کیا کہ بالکل صحیح و سالم ہیں، آپ نے پوچھا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ ارقمؓ کے گھر تشریف رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ میں اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت نہ کرلوں۔ ان کی والدہ کو تو بے قراری تھی کہ وہ کچھ کھالیں، اور انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک زیارت نہ کرلوں کچھ نہ کھاؤں گا اس لیے ان کی والدہ نے اس کا انتظار کیا کہ لوگوں کی آمد و رفت بند ہو جائے، مبادا کوئی دیکھ لے اور کچھ اذیت پہنچائے۔ جب رات کا بہت سا حصہ گذر گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں ارقمؓ کے گھر پہنچیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی لپٹ کر روئے اور مسلمان بھی سب رونے لگے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں آپ ان کے لیے ہدایت کی دعا بھی فرمادیں اور ان کو اسلام کی تبلیغ بھی فرمائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اول دعا فرمائی اس کے بعد ان کو اسلام کی ترغیب دی، وہ بھی اسی وقت مسلمان ہوگئیں۔[1]

ف: عیش و عشرت، نشاط و فرحت کے وقت محبت کے دعوے کرنے والے سینکڑوں ہوتے ہیں، محبت و عشق وہی ہے جو مصیبت اور تکلیف کے وقت بھی باقی رہے۔

(۲) حدیبیہ کی مشہور لڑائی ذوالقعدہ ۶ھ میں ہوئی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لا رہے تھے، کفار مکہ

---

[1] خمیس ۱ ۳۰۲

نے ان کو عمرہ سے روکا اور لڑائی پر تیار ہو گئے۔ اس سلسلہ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت عروہ بن مسعود ثقفی کفار کی جانب سے آئے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مسلمان ہوئے تھے) حضرت عروہ نے عرض کیا "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم یہ چاہتے ہو کہ عرب کا بالکل خاتمہ کر دو تو یہ ممکن نہیں تم نے کبھی نہ سنا ہوگا کہ تم سے پہلے کوئی شخص ایسا گذرا ہو جس نے عرب کو بالکل فنا کر دیا ہو، اور اگر دوسری صورت ہوئی کہ وہ تم پر غالب آ گئے تو یاد رکھو میں تمہارے ساتھ اشراف کی جماعت نہیں دیکھتا، یہ اطراف کے کم ظرف لوگ تمہارے ساتھ ہیں، مصیبت پڑنے پر سب بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاس کھڑے تھے یہ جملہ سنکر غصہ میں بھر گئے اور ارشاد فرمایا کہ "تو اپنے معبودلات کی پیشاب گاہ کو چاٹ کیا ہم حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھاگ جائیں گے اور آپ کو اکیلا چھوڑ دیں گے؟" عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ابوبکر ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارا ایک قدیمی احسان مجھ پر ہے جس کا میں بدلہ نہیں دے سکا، اگر یہ نہ ہوتا تو اس گالی کا جواب دیتا۔ یہ کہہ کر عروہ پھر حضور (اقدس صلی اللہ علیہ وسلم) سے بات میں مشغول ہو گئے، اور عرب کے عام دستور کے موافق بات کرتے ہوئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ لے جاتے کہ خوشامد کے موقعہ پر داڑھی میں ہاتھ لگا کر بات کی جاتی ہے۔ صحابہؓ کو یہ بات کب گوارا ہو سکتی تھی، عروہ کے بھتیجے حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سر پر خود اوڑھے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے پاس کھڑے تھے، انہوں نے تلوار کا قبضہ عروہ کے ہاتھ پر مارا کہ ہاتھ پرے کو رکھو۔ عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مغیرہ، عروہ نے کہا او غدار! تیری غداری کو میں اب تک بھگت رہا ہوں۔ (حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اسلام سے قبل چند

کافروں کو قتل کر دیا تھا جن کی دیت عروہ نے ادا کی تھی، اس کی طرف یہ اشارہ تھا غرض وہ طویل گفتگو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کرتے رہے اور نظریں بچا بچا کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کا اندازہ بھی کرتے رہے۔ چنانچہ واپس جا کر کفار سے کہا کہ اے قریش! میں بڑے بڑے بادشاہوں کے یہاں گیا ہوں۔ قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے درباروں کو بھی دیکھا ہے اور اُن کے آداب بھی دیکھے ہیں، خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کی جماعت اس کی ایسی تعظیم کرتی ہو جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت اُن کی تعظیم کرتی ہے، اگر وہ تھوکتے ہیں تو جس کے ہاتھ پڑ جائے وہ اس کو بدن اور منہ پر مل لیتا ہے، جو بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مُنہ سے نکلتی ہے اس کے پورا کرنے کو سب کے سب ٹوٹ پڑتے ہیں، اُن کے وضو کا پانی آپس میں لڑ لڑ کر تقسیم کرتے ہیں زمین پر نہیں گرنے دیتے اگر کسی کو قطرہ نہ ملے تو وہ دُوسرے کے تر ہاتھ کو ہاتھ سے مل کر اپنے منہ پر مل لیتا ہے، اُن کے سامنے بولتے ہیں تو بہت نیچی آواز سے، اُن کے سامنے زور سے نہیں بولتے، اُن کی طرف نگاہ اُٹھا کر ادب کی وجہ سے نہیں دیکھتے، اگر اُن کے سر یا داڑھی کا کوئی بال گرتا ہے تو اس کو تبرکاً اُٹھا لیتے ہیں اور اس کی تعظیم اور احترام کرتے ہیں غرض میں نے کسی جماعت کو اپنے آقا کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت ان کے ساتھ کرتی ہے۔

اسی دوران میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی طرف سے قاصد بنا کر سردارانِ مکہ کے پاس بھیجا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی باوجود مسلمان ہو جانے کے مکہ میں بہت عزت تھی، اور ان کے متعلق زیادہ اندیشہ نہ تھا، اس لیے اُن کو تجویز فرمایا تھا، وہ تشریف لے گئے تو صحابہ کو رشک ہوا کہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے

ہوں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں داخل ہوئے تو ابان بن سعید نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان سے کہا کہ جہاں دل چاہے چلو پھرو تم کو کوئی نہیں روک سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچاتے رہے، جب واپس ہونے لگے تو کفار نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہو تم طواف کرتے جاؤ۔ انہوں نے جواب دے دیا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کرلوں۔ قریش کو اس جواب پر غصہ آیا جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک لیا، مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے اخیر دم تک (یعنی موت تک) لڑنے پر بیعت لی، جب کفار کو اس کی خبر پہنچی تو گھبرا گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً چھوڑ دیا۔[1]

(ف) اس قصہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد، حضرت مغیرہ کا مارنا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عام برتاؤ جس کو عروہ نے بہت غور سے دیکھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا طواف سے انکار ہر واقعہ ایسا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے انتہا عشق و محبت کی خبر دیتا ہے۔ یہ بیعت جس کا اس قصہ میں ذکر ہے بیعت الشجرہ کہلاتی ہے، قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفتح کی آیت لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (الآیۃ) میں اس کا ذکر فرمایا ہے[2]

---

[1] خمیس [2] الفتح ۱۸

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کی محبت

(٣) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ سینگیاں لگوائیں اور جو خون نکلا وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا کہ اس کو کہیں دبا دیں وہ گئے اور آ کر عرض کیا کہ دبا دیا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دریافت فرمایا کہاں؟ عرض کیا میں نے پی لیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس کے بدن میں میرا خون جائے گا اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔

جنگِ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے واقعات

(٤) اُحد کی لڑائی میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور یا سر مبارک میں خُود کے دو حلقے گھس گئے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑتے ہوئے آگے بڑھے اور دوسری جانب سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے اور آگے بڑھ کر خود کے حلقے دانت سے کھینچنے شروع کئے ایک حلقہ نکالا جس سے ایک دانت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ٹوٹ گیا، اس کی پرواہ نہ کی دوسرا حلقہ کھینچا جس سے دوسرا دانت بھی ٹوٹا لیکن حلقہ وہ بھی کھینچ ہی لیا۔ ان حلقوں کے نکلنے سے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جسم سے خون نکلنے لگا تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لبوں سے اس خون کو چوس لیا اور نگل لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون ملا ہے اس کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکتی۔ (قرۃ العیون)

(ف) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات خون پیشاب وغیرہ سب پاک ہیں، اس لیے اس میں کوئی اشکال نہیں۔

(۵) اسی احد کی لڑائی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ سعد بن ربیع کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کیا گذری۔ ایک صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو تلاش کے لیے بھیجا۔ وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے کہ شاید وہ زندہ ہوں، پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھیجا ہے کہ سعد بن ربیع کی خبر لاؤں، تو ایک جگہ سے بہت ضعیف سی آواز آئی، یہ اُس طرف بڑھے جا کر دیکھا کہ سعدؓ مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے، جب یہ قریب پہنچے تو حضرت سعد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے کہا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میرا سلام عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ میری جانب سے آپ کو اُس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں جو کسی نبی کو اس کے اُمتی کی طرف سے بہتر سے بہتر عطا کیا ہو اور مسلمانوں کو میرا یہ پیام پہنچا دینا کہ اگر کافر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی ہوئی رہے یعنی وہ زندہ رہا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عذر بھی تمہارا نہ چلے گا اور یہ کہہ کر جاں بحق ہو گئے۔ (خمیس)

(ف) فجزاہ اللہ عنا افضل ما جزیٰ صحابیا عن امۃ نبیا۔ درحقیقت ان جاں نثاروں نے (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے ان کی قبروں کو نور سے بھر دے) اپنی جاں نثاری کا پورا ثبوت دے دیا کہ زخموں پر زخم لگے ہوئے ہیں، دم توڑ رہے ہیں مگر کیا مجال ہے کوئی شکوہ، کوئی گھبراہٹ کوئی پریشانی لاحق ہو جائے۔ ولولہ ہے تو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حفاظت کا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جاں نثاری کا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربانی کا۔ کاش مجھ جیسے نااہل کو بھی کوئی حصہ اس محبت کا نصیب ہو جاتا۔

(۶) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں اور آکر عرض کیا کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کرا دو۔ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے حجرہ شریفہ کھولا انہوں نے زیارت کی اور زیارت کرکے روتی رہیں اور روتے روتے انتقال فرماگئیں۔ رضی اللہ عنہا وارضاہا۔ (شفاء)

(ف) کیا اس عشق کی نظیر بھی کہیں ملے گی کہ قبر کی زیارت کی تاب نہ لاسکیں اور وہیں جان دے دی۔

حضرت علیؓ کا بیان

(۷) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کرم اللہ وجہہ) سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت تھی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدائے پاک کی قسم حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم لوگوں کے نزدیک اپنے مالوں سے، اپنی اولادوں سے اور اپنی ماؤں سے اور سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔ (شفاء)

(ف) سچ فرمایا درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی حالت تھی، اور کیوں نہ ہوتی جبکہ وہ حضرات کامل الایمان تھے، اور اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(ترجمہ) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم

پسند کرتے ہو (اگر یہ سب چیزیں) تم کو اللہ سے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجدیں اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو اُن کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ (بیان القرآن)

اس آیت شریفہ میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کے ان سب چیزوں سے کم ہونے پر وعید ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے"۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا گیا ہے۔

حضرت زیدؓ کو سُولی دینا

(۸) حضرت زید رضی اللہ عنہ کو سولی دیئے جانے کا قصہ طویل ہے، اُس وقت ابوسفیان نے اُن سے پوچھا کیا تجھے یہ گوارا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں اور تیری بجائے (خدانخواستہ) حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ یہ معاملہ کریں، تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ حضور اپنے دولت کدہ میں تشریف فرما ہوں اور وہاں اُن کے کانٹا چبھ جائے اور میں اپنے گھر میں آرام سے رہ سکوں۔ ابوسفیان کہنے لگا کہ میں نے کبھی کسی کو کسی کے ساتھ اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جماعت کو ان سے ہے۔

حضرت بلال رضؓ کے اذان دینے پر حالت

(۹) حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قیام ملک شام میں تھا، ایک دن اُن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، ارشاد فرمایا بلال! یہ کیا جفا ہے کہ میری زیارت کرنے کا وقت نہیں آتا۔ یہ خواب دیکھتے ہی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھ کھلی تو نہایت غمگین خوف زدہ، پریشان تھے۔ فوراً اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور روتے ہوئے مزار پاک پر حاضر ہوئے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما خبر سنکر تشریف لائے اور بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کہنے کی فرمائش کی، یہ ان سے مل کر لپٹ گئے اور صاحبزادوں کی تعمیل ارشاد میں اذان کہی، آواز سنکر گھروں سے مرد، عورتیں بے قرار روتی ہوئی نکل آئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی یاد نے سب ہی کو تڑپا دیا۔

یہاں استدلال اس خواب سے نہیں ہے بلکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سفر سے ہے، (زیارت کے لیے یہ عمل خصوصی صحابی کا ہے) اور یہ عمل اکابر صحابہؓ کے سامنے کا ہے اور کسی سے اس پر انکار ثابت نہیں جس کو علماء کرام صحابہ کے اجماع سکوتی سے تعبیر کرتے ہیں۔

صحابہ کرام کی محبت اور تعظیم کرنے کا تھوڑا سا نمونہ بیان ہوا اور مجلس مبارک میں ادب کے متعلق ان کی حالت عام مشہور ہے کہ اس طرح گردن جھکا کر خاموش و ساکت اور ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھتے تھے جیسے کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں (کہ ذرا سی بھی حرکت ان میں نہ ہوتی تھی، کہ پرندہ ذرا سی حرکت سے اُڑ جاتا ہے) اور آپ سے جب کوئی بات کرتا تو اس کے خاموش ہونے تک سب ساکت رہتے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے "فضائلِ حج" میں سفر مدینہ پاک اور زیارت کے اکسٹھ آداب لکھے ہیں اور مکہ مکرمہ کے اس کے علاوہ ہیں۔ ہر حاجی کے لیے اس کتاب (فضائل حج) کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ آداب لکھنے کے بعد حضرت شیخؒ آخر میں تحریر فرماتے ہیں کہ دو اصول کے تحت شریعتِ مطہرہ کے اندر رہ کر جو کچھ کر سکتے ہوں کسر نہ چھوڑیں، اوّل ادب و احترام دوسرے ذوق اور شوق۔

عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک اتنی بڑی ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ بڑائی کو کسی کے بھی ذہن و گمان میں آسکے وہ اس سے بھی بڑا ہے، یہی معنی ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس ذاتِ پاک نے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حبیب بنایا تو ظاہر ہے کہ سارے ہی کمالات و خوبیاں اور درجات جو بھی کسی مخلوق کو دیئے جا سکتے تھے وہ سب ہی اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دے دیئے۔ چنانچہ خود ایک حدیث پاک میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ غور سے سنو! کہ میں اللہ کا حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا، اور قیامت کے دن حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور اس جھنڈے کے نیچے آدم اور سارے انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور اس پر کوئی فخر نہیں کرتا، اور قیامت کے دن سب سے پہلے میں شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے جس کی سفارش قبول کی جائے گی وہ میں ہوں گا، اور اس پر بھی کوئی فخر نہیں کرتا، اور سب سے پہلے جنت میں میں اور میری اُمت کے فقراء داخل ہوں گے اور اس پر فخر نہیں کرتا۔ اور میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم ہوں اوّلین اور آخرین میں اور کوئی فخر نہیں کرتا۔

مشکوٰۃ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ حبیب اللہ کا لقب سب سے اونچا ہے اور وہ اللہ کا محبوب ہونا ہے ایک خاص محبت کے ساتھ ہیں، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک مقام یہ بھی ہے کہ شفاعت کے میدان میں عرشِ معلّٰی کے دائیں جانب ہوں گے ؎

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں　　امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار
تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی　　تو نورِ شمس گر اور انبیاء ہیں شمس و نہار
حیات جان ہے تو ہیں اگر وہ جانِ جہاں　　تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار
خدا کے طالب دیدار حضرت موسیٰ　　تمہارا لیجیے خدا آپ طالبِ دیدار
کہاں بلندیٔ طور اور کہاں تری معراج　　کہیں ہوئے ہیں زمین آسمان بھی ہموار
رہا جمال پہ تیرے حجابِ بشریت　　نجانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار
سما سکے تری خلوت میں کب نبی و ملک　　خدا غیور تو اس کا حبیب اور اغیار

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا　　عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّہِمِ

تو جس ذاتِ اقدس کی کما حقہٗ ثناء ممکن ہی نہیں تو اس کے شایانِ شان ادب کا حق کون ادا کر سکتا ہے، اسی لیے ہر کسی نے یہی کہا کہ آداب میں جو بھی ہو سکے کسر نہ چھوڑ کر اپنے کو انتہائی کوتاہی کرنے والا یقین کرتے ہوئے حاضری دے۔

بہت خطرے اور بہت سوچنے کی بات

اس میں نہ کوئی مسئلہ ہے نہ فتویٰ ہے نہ ہی کسی کی رائے ہے بلکہ ایک کھلی ہوئی

واقعیت ہے، پھر بھی چونکہ خطرے کی بات ہے اور بہت سوں کی گرانی کا باعث بھی ہو سکتی ہے اس لیے کئی دن سوچتا رہا کہ لکھنا نافع ہوگا یا مضر، مشوروں اور استخارہ کے بعد لکھنے کا فیصلہ کر لیا ؂

عقل ہے مصلحت نگر عقل سے کر نہ ساز باز
دل جو کہے سو کر گذر عشق نہیں بہانہ ساز

فخرِ عالم حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آداب بجا لانے کا ضروری ہونا اتنا ظاہر اور مشہور ہے کہ اس سے کسی بڑے سے بڑے فاسق فاجر بلکہ غیر مسلم انسان کو بھی انکار کی گنجائش نہیں، اور سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور محبوبیتِ عامہ کا اثر انسانوں سے گذر کر حیوانوں اور جمادات تک پہنچ گیا البتہ جو مریضِ قلب شقاوتِ ازلی کی وجہ سے جانوروں اور پتھروں سے بھی گئے گذرے ہیں اُن میں نہیں آیا۔

حجۃ الوداع میں سید الکونین حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے قربان ہونے کے لیے (قربانی کے وقت) اونٹوں کا ایک دوسرے سے بڑھ کر پیش ہونا کہ ہر ایک جلد قربان ہونا چاہتا تھا، اور زبانِ حال سے کہتا تھا ؂

سر بوقتِ ذبح اپنا ان کے زیرِ پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اور کھجور کے تنہ (اسطوانہ حنانہ) کا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں اس زور سے رونا کہ مسجد گونج گئی۔ اور حضور اقدس خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے لیے جنگلی درندوں کا مطیع ہونا اور ان کے لیے دریاؤں کا مسخر ہونا وغیرہ بے شمار واقعات جو کتب احادیث میں مشہور ہیں اسی محبوبیتِ عامہ کا پتہ دیتے ہیں۔

گذشتہ اوراق میں آداب کے معنی اور روح کا بیان ہو چکا کہ اس کی رُوح ایسے اقوال و افعال کا بجا لانا ہے جو محبوب کو پسند ہوں اور باعث راحت ہوں۔ اس کے بالمقابل بے ادبی ان باتوں کو کہا جاتا ہے جو محبوب کے نزدیک ناپسند اور گرانی کا باعث ہو سکتی ہوں۔ قرآنِ پاک کی آیت گذر چکی یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۔ یعنی اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی نہ کرو، اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو اس طرح ان کے رُوبرو زور سے نہ بولا کرو ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہ چلے۔

اس آیت کا شانِ نزول بخاری شریف میں یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک معاملہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بحث ہو رہی تھی کہ دونوں کی آوازیں بلند ہو گئیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اپنے بڑے کے سامنے زور سے بولنا جو صورتاً بیباکی اور بے پروائی آواز سے آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنا ایک قسم کی گستاخی ہے، اور اپنے خادموں کی طرف سے اس طرح کا معاملہ بعض وقت ناگواری اور ایذاء کا سبب ہو جاتا ہے، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینا تمام اعمالِ خیر کو برباد کر دینے والا ہوتا ہے۔ البتہ بعض اوقات جبکہ طبیعت میں انبساط ہو تو یہ امور ناگوار نہیں ہوتے لیکن بات کہنے والے کو معلوم ہونا مشکل ہوتا ہے کہ اس وقت زور سے بولنا ناگواری کا باعث ہوگا یا نہیں، اس لیے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے

سامنے زور سے بولنے کو مطلقاً منع فرما دیا گیا۔ چنانچہ اس آیت کے نزول سے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ حال ہو گیا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے کہ اب مرتے دم تک اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہے۔ (دُرِّ منثور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا۔ اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے، یہ آیت سُنکر وہ بہت ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا۔[1]

قاضی ابو بکر ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا حیات میں تھا (کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زندہ ہیں) اسی لیے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر کے سامنے بھی بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔

آواز بلند ہونے پر ایذاءِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احتمال پر وعید

اس ادب کو بجا نہ لانے پر جو اعمالِ صالحہ کے ضائع ہو جانے کی وعید ہے اس میں ایک سوال سمجھنے کا ہے کہ اعمال کو برباد کر دینے والی چیز تو بالاتفاق اہل سنت والجماعت کے نزدیک صرف کفر ہے، اور یہاں خطاب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہو رہا ہے جس سے اس فعل کا کفر نہ ہونا ثابت ہوتا ہے تو یہ فعل اعمال کو برباد کر دینے والا کیسے ہو گیا؟ اس کا جواب "بیان القرآن" سے

---

[1] بیان القرآن از دُرِّ منثور

مختصراً لکھا جاتا ہے۔ کہ آواز بلند کرنا ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی ہونے کا بھی احتمال ہے جو ایذاء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب ہے۔ اگرچہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ بالقصد کوئی ایسا کام کریں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایذاء کا سبب بنے لیکن بعض اعمال جیسے رفع صوت اگرچہ بعض وقت ایذاء نہ ہوں پھر بھی ان میں ایذاء کا احتمال ہے اس لیے ان کو مطلقاً ممنوع اور معصیت قرار دیا ہے۔ اور بعض معصیتوں کا خاصہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے کرنے والے سے توبہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق سلب ہو جاتی ہے اور وہ گناہوں میں منہمک ہو کر انجام کار کفر تک پہنچ جاتا ہے جو اعمال کو برباد کرنے کا سبب ہے۔ اگر کسی صالح بزرگ کو کسی نے اپنا مُرشد بنایا ہو اس کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی کا بھی یہی حال ہے، اگرچہ بعض دُوسرے بڑے گناہوں سے اعمالِ صالحہ برباد نہیں ہوتے۔[1]

یقینی موجب ایذاء افعال

یہ ساری باتیں اُن آداب کے بجالانے کے متعلق ہیں جن میں گرانی اور ایذاء کا احتمال ہو سکتا ہے۔ لیکن کسی بات کے گراں ہونے اور اس سے کچھ تکلیف پہنچنے سے کسی کا ناراض ہونا اور غصہ ہونا دُوسری بات ہے، بسا اوقات کسی فعل سے گرانی اور ایذاء تو ہوتی ہے لیکن ناراضگی اور غصہ نہیں ہوتا، اور جس فعل سے ناراضگی اور غصہ بھی ہو، اور غصہ کا بھی صرف احتمال ہی نہیں بلکہ یقینی ہو تو ظاہر ہے کہ وہ فعل اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تباہ کر دینے والا ہو گا۔ قرآنِ پاک میں فرمایا

---

[1] ماخوذ از بیان القرآن و معارف القرآن و نشر الطیب مختصراً

گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قصداً ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے (جو رحمت سے دُوری کا سبب ہے) اور اُن کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اب اگر کوئی زیارتِ پاک کے ایسے آداب میں کوتاہی کرے جن کے بجانہ لانے میں ایذا اور غصہ کا پہلو نہ ہو (مثلاً نئے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا، ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا وغیرہ) تو وہ مستحب فعل کا چھوڑنا ہوگا، جو کہ بُرا ہے، اور بلا عُذر ان آداب کو معمولی باتیں سمجھتے ہوئے پرواہ نہ کرنا بہت ہی بُرا ہے، لیکن اُس کریم و رحیم و حلیم اور شفیق ذات کو تو ان عُرفی آداب کی کوتاہی پر التفات بھی نہ ہوگا جس نے اپنی ذات کے لیے کسی سے کبھی بدلہ نہیں لیا، مگر جب کوئی ان کے سامنے کسی حرام فعل کا مُرتکب ہو (تو اس میں لوگوں کے حقوق دبانا بھی ہے) تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ غصہ والا کوئی نہ ہوتا تھا، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث گذر چکی ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اس غصہ اور اُن کی ایذا پر کیا سزا دیں گے جبکہ حدیثِ قُدسی ہے کہ "جو شخص میرے کسی ولی کو ستائے میری طرف سے اس کو لڑائی کا اعلان ہے" دیگر گناہ کتنے بڑے بڑے ہیں مگر کسی کے کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ لڑائی کرنے سے تعبیر نہیں فرمایا سوائے اولیاء کی اذیت اور سُود کھانے کے، خیال کیجئے کہ پھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کا کیا حشر ہوگا؟

رسالہ "داڑھی کا وجوب" کی وجہِ تالیف

اب مندرجہ بالا تفصیل کے بیان کرنے کا مقصد عرض ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ "داڑھی کا وجوب" اس خیال کے آنے پر تحریر فرمایا تھا، لکھتے ہیں کہ

"مجھے ایسے لوگوں کو دیکھ کر جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کے خلاف اپنی صورت بناتے اور داڑھی منڈاتے ہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ موت کا وقت مقرر کسی کو معلوم نہیں اور اس حالت میں اگر موت واقع ہوئی تو قبر میں سب سے پہلے سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور کی زیارت ہوگی تو کس منہ سے چہرۂ انور کا سامنا کریں گے، اس کے ساتھ ہی بار بار یہ خیال آتا تھا کہ کبیرہ گناہ زنا، لواطت، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ تو بہت سے ہیں مگر وہ سب وقتی ہیں کہ ہر وقت ان کا ظہور اور صدور نہیں ہوتا، نبی کریم (اکرم) صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لَا يَزْنِي الزَّانِي حِيْنَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ" (الحدیث) یعنی "زنا کار جب زنا کرتا ہے تو وہ اس وقت مومن نہیں ہوتا" مطلب اس حدیث کا مشائخ نے یہ لکھا ہے کہ زنا کے وقت ایمان کا نور اس سے جدا ہو جاتا ہے لیکن زنا کے بعد وہ نور ایمانی پھر مسلمان کے پاس آجاتا ہے۔ مگر قطع لحیہ (داڑھی منڈانا) ایسا گناہ ہے جس کا اثر اور ظہور ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ہے، نماز پڑھتا ہے تو بھی یہ گناہ اس کے ساتھ ہے، روزہ کی حالت میں، حج کی حالت میں، (روضۂ اقدس پر زیارت کے وقت میں) غرض ہر عبادت کے وقت یہ گناہ اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مجوسی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جس نے داڑھی منڈا رکھی تھی اور مونچھیں بڑھا رکھی تھیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا یہ کیا بنا رکھا ہے؟ اس نے کہا یہ ہمارا دین ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے دین میں یہ ہے کہ مونچھوں کو کٹوا دیں اور داڑھی کو بڑھائیں۔ (حکم اللحیۃ فی الاسلام)

ابن عساکرؒ وغیرہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد نقل کیا ہے کہ دس خصلتیں ایسی ہیں جو قوم لوط میں تھیں جن کی وجہ

سے وہ ہلاک ہوئی، ان دس چیزوں میں داڑھی کا کٹوانا اور مونچھوں کا بڑھانا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

حارث بن ابی اسامہ نے یحییٰ بن کثیر سے مُرسلاً نقل کیا ہے کہ ایک عجمی (کافر) مسجد میں آیا جس نے داڑھی منڈا رکھی تھی اور مونچھیں بڑھا رکھی تھیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کرنے پر تجھے کس چیز نے اُبھارا؟ تو اس نے کہا کہ میرے رب (بادشاہ) نے یہ حکم دیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ داڑھی کو بڑھاؤں اور مونچھوں کو کٹواؤں۔

ایک دوسری روایت میں زید بن حبیب سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داڑھی منڈائے ہوئے دو شخصوں کی طرف جو شاہِ کسریٰ کی طرف سے قاصد بن کر آئے تھے (یہ دونوں شخص کافر تھے شریعتِ اسلامیہ کے مکلّف نہ تھے) اُن کی طرف نگاہ فرمانا بھی گوارا نہ فرمایا، اور فرمایا تمہیں ہلاکت ہو یہ حلیہ بنانے کو کس نے کہا؟ انہوں نے کہا ہمارے رب (شاہِ کسریٰ) نے حکم دیا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن مجھے میرے رب نے داڑھی کے بڑھانے اور مونچھوں کے کٹوانے کا حکم دیا ہے۔ (حکم اللحیۃ) یہ قصہ آگے مفصل آرہا ہے۔

مرنے کے بعد قبر میں سب سے پہلے سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوگی، کس قدر حسرت اور مایوسی کا وقت ہوگا اگر خدانخواستہ اس ذاتِ اقدس نے جس سے سفارشوں کی اُمیدیں ہیں پہلے ہی وہلہ میں ایسے خلافِ سنت چہرے اور صورت کو دیکھ کر منہ پھیر لیا؟

"اب شان سے شیو کر کے نئے کپڑے پہن کر خوشبو لگا کر سامنے ہونے والا خود ہی سوچ لے"

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَقَالَ مَنْ لَّمْ یَاْخُذْ شَارِبَہٗ فَلَیْسَ مِنَّا۔

اخرجہ احمد والترمذی والنسائی۔ (حکم اللحیۃ فی الاسلام)

زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جو شخص مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(ف) کس قدر سخت وعید ہے لمبی لمبی مونچھوں والے اپنے آپ کو شریف سمجھیں اور سرکاری کاغذات میں اپنے کو مسلمان بھی لکھواویں مگر سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو اپنی جماعت میں شمار کرنے سے انکار فرما رہے ہیں۔

حضرت وائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو اپنی مونچھوں کو نہ کاٹے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الزہد میں عقیل بن مدرک سلمی سے نقل کیا ہے کہ اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے کہہ دو کہ وہ میرے دشمنوں کا کھانا (یعنی جو ان کے ساتھ مخصوص ہو جیسے نصاریٰ کا کھانا سور) نہ کھاویں اور میرے دشمنوں کا پانی نہ پئیں (جیسے شراب) اور میرے دشمنوں کی شکل نہ بنائیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو وہ بھی میرے دشمن ہوں گے جیسا کہ وہ لوگ حقیقی دشمن ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟

پہلے کئی روایتوں میں گذر چکا کہ داڑھی کا منڈانا اعاجم کا یعنی مشرکین کا شعار ہے جس کی مخالفت کا حکم کئی حدیثوں میں گذر چکا۔ یہاں ایک امر نہایت اہم اور

قابلِ تنبیہ یہ ہے کہ بہت سے حضرات ایسے ہیں کہ جو داڑھی منڈانے کو تو معیوب سمجھتے ہیں اور اس سے بچتے بھی ہیں، لیکن داڑھی کے کم کرنے اور کتروانے کو معیوب نہیں سمجھتے، حالانکہ شریعتِ مطہرہ میں جس طرح داڑھی رکھنے کا حکم ہے اسی طرح اس کی ایک مقدار بھی متعین ہے، چنانچہ اس سے کم کرنا شرعاً معتبر نہیں اور وہ مقدار ایک قبضہ (مٹھی) ہے۔ اس سے کم کرنا بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے، گو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر ایک قبضہ پر بڑھ جائے تو اس کو کم کرنا چاہیے یا نہیں؟

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے یہود و نصاریٰ کی مشابہت کی مخالفت کی روایت نقل کر کے لکھا ہے کہ ان کی مخالفت شریعت میں مطلوب ہے اور ظاہر میں مشابہت ان سے محبت اور دوستی پیدا کرتی ہے، جیسا کہ باطنی محبت ظاہری مشابہت میں اثر انداز ہوتی ہے، یہ امور تجربہ سے ظاہر ہیں۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جو کفار کے ساتھ مشابہت اختیار کرے اور اسی پر مر جائے تو ان ہی کے ساتھ حشر ہو گا۔

کسریٰ کے قاصدوں کا قصہ جو پیچھے گذر چکا یہ لوگ چونکہ آتش پرست پارسی تھے اس لیے ان کی داڑھیاں منڈی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، اور اپنے بادشاہ کسریٰ کو رب کہا کرتے تھے، اُن کے چہرہ پر نظر ڈال کر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف پہنچی اور پہلا سوال اُن سے یہ کیا کہ ایسی صورت بنانے کو تم سے کس نے کہا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے رب کسریٰ نے، آپؐ نے فرمایا مگر میرے رب نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ داڑھی بڑھاؤں اور مونچھیں کترواؤں۔ قصہ طویل ہے مگر یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ غیر مسلم سفیروں کی بھی اس صورت اور شکل سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو طبعی تکلیف ہوئی۔

اس قصہ کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "حیاۃ الصحابہ" میں مختلف سندوں سے ذکر کیا ہے۔

غور کیجئے کہ وہ دونوں مہمان تھے، ہمارے مذہب کے پابند بھی نہیں تھے مگر چونکہ اُن کی یہ بُری صُورت فطرتِ سلیمہ کے خلاف تھی اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اُن کی یہ مکروہ شکل دیکھنی گوارا نہ ہو سکی۔ اُن سے منہ موڑ لیا، اور ان کو بد دُعائیہ جملہ فرمایا کہ تم پر ہلاکت ہو۔

مسلمانوں کے سوچنے کی بات ہے کہ مرنے کے بعد سب سے پہلے قبر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا ہوگا (اور اب زیارت کے وقت سامنا ہوتا ہے) ایسے خلافِ سنت چہرہ کو دیکھ کر اس ذاتِ پاک کو تکلیف ہوگی جس کی شفاعت پر ہم سب مسلمانوں کی اُمیدیں وابستہ ہیں۔

اس کے بعد مولانا میرٹھی لکھتے ہیں کہ مرزا قتیل کا قصہ آپ نے سُنا ہوگا۔ اُن کے صوفیانہ کلام سے متاثر ہو کر ایک ایرانی شخص اُن کا مُعتقد ہوگیا اور زیارت کے شوق میں وطن سے چلا، جس وقت اُن کے پاس پہنچا تو مرزا داڑھی کا صفایا کر رہے تھے، اس نے تعجب سے دیکھا اور کہا "آغا ریش می تراشی" (جناب آپ داڑھی منڈا رہے ہیں) مرزا نے جواب دیا "بلے موئے می تراشم دلے دل کسے نمی تراشم" (ہاں بال تراش رہا ہوں مگر کسی کا دل نہیں چھیل رہا ہوں) گویا "دل بدست آور کہ حج اکبر است" کی طرف صوفیانہ اشارہ کیا، کہ اپنے متعلق انسان جو چاہے کرے مگر مخلوقِ خدا کا دل نہ دکھائے، ایرانی نے بیساختہ جواب دیا "آرے دل رسول می خراشی" کسی کا دل دکھانا چہ معنی تم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل چھیل رہے ہو، یہ سُنکر مرزا کو وجد آگیا اور بیہوش ہوکر گر پڑے ہوش آیا تو یہ شعر زبان پر تھا ۔

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی ۔۔۔ مرا باجان جاں ہمراز کردی

پس اگر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کی ہمت نہیں رکھتے تو خدا کے واسطے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دل تو نہ دکھاؤ..... مولانا نے جو شعر لکھا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے: "اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے کہ تو نے میری آنکھ کھول دی اور مجھے جان جاں کے ساتھ ہمراز کر دیا"۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اس لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت اللہ جل شانہٗ کی اذیت ہے، اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی تَعَالٰی: "جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی"۔ جب غیر مسلموں کے داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچی تو جو لوگ اُمتی کہلاتے ہیں اُن کے اس ناپاک فعل سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔

اسی طرح دیگر ظاہر شکل وصورت اور لباس وغیرہ خلافِ شرع اور خلافِ سُنت کے ساتھ حاضری دینے کا حال ہے سمجھ لیا جائے، جس میں خاص طور سے ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننا جس پر حدیثوں میں سخت وعیدیں اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا گیا ہے، اور عورتوں کا ایسا غیر شرعی لباس جس کو حدیثِ پاک میں ننگی ہونے کے برابر فرمایا گیا ہے، اسی طرح ان کا خوشبو لگا کر مردوں کے ہجوم میں گھروں سے نکل کر حاضری دینے میں بڑا خطرہ ہے جس کو زانیہ فرمایا گیا ہے۔ (عورتوں کے متعلق ان امور کی تفصیل "رسالہ فضائل لباس" میں ملاحظہ کریں) یہ تو ظاہری ہیئت کا حال ہے، لوگوں کی حق تلفیاں، سُودی کاروبار، قطع رحمی وغیرہ جملہ گناہوں اور باطنی گندگیوں، عجب وتکبر وغیرہ کے ساتھ حاضری دینا بھی خطرے سے خالی نہیں، کیونکہ ان باطنی حالات کا ادراک بعض وقت اولیاء امت کو بھی ہو جاتا ہے،

پھر سیدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ادراک کا کیا کہنا ۔ اب ان مندرجہ بالا امور سے بے فکر ہوکر خوشی خوشی زیارت کرنے والے کو کیا ملے گا؟ ؎

آئی تھی کچھ لین کو بھول چلی کچھ اور
کیا دکھاؤں گی اپنے پیا کو میرے خالی دونوں ہاتھ

پھر کیا ہم رُوسیاہ زیارت سے محروم ہی رہیں؟

ہم کو کیا کرنا چاہیئے ۔اور متقی حضرات کیلئے کیا ہے؟

اس بارہ میں بندہ عرض کرتا ہے کہ اس میں جو ٹھیک ٹھیک ہوگا وہ مُرشدی رُوحی فداہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کا فیض ہوگا، اور اس کے علاوہ میں میری جہالت ہوگی ؏

نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی

"قربِ سلطاں آتش سوزاں بود" مشہور ہے ۔یعنی بادشاہوں کے قُرب میں جان کا خطرہ ہے ۔مگر عالی ہمتوں سے بدون بادشاہ کے صبر نہیں ہوسکتا ۔اس لیے کہ بادشاہ کا قرب شکر سے زیادہ شیریں اور مرغوب ہے ۔حضرت شیخؒ لکھتے ہیں (جیسا کہ حدیثِ پاک میں ہے) کہ جو قبرِ اطہر کے قریب درود وسلام پڑھے اس کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنفس نفیس خود سنتے ہیں ۔ یہ بہت ہی قابلِ فخر، قابلِ عزت اور قابلِ لذت چیز ہے ۔میں تو عرض کروں گا کہ ہم جیسوں کو تو بہت کثرت سے حاضری دینے کی ضرورت ہے چاہے نتیجہ میں جان جاتی رہے ؎

شہیدانِ محبت خوب آئینِ وفا سمجھے
بہانوں کو نہ قاتل ہیں تو اس کو خونبہا سمجھے

○ احقر نے ایک دفعہ اپنے آقا و مُرشد کی خدمت میں لکھا تھا کہ مجھ پر جس وقت

بہت گندے خیالات کا ہجوم ہوتا ہے اور طبیعت میں بہت اضمحلال اور غفلت ہوتی ہے تو اس حالت میں روضۂ اقدس کی زیارت کو نہیں جایا کرتا۔ حضرتؒ نے جواب تحریر فرمایا ایسی حالت میں تو ضرور حاضری دینا چاہیئے کہ یہی تو علاج ہے۔ (حضرت کا گرامی نامہ سامنے نہیں، جواب کے الفاظ میرے اپنے ہیں)

(۲) حضرت پیرانِ پیر شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید اُن کی خدمت میں روز حاضری دیا کرتا تھا، ایک رات اُس کو بے شمار دفعہ احتلام ہوا، اُس نے یہ بات حضرت سے عرض کر دی، حضرت نے فرمایا تیری قسمت میں اتنی مرتبہ زنا لکھا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے ہماری دعا قبول فرما کر اسے احتلام میں تبدیل کر دیا۔

(۳) حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک طالبعلم نے سوال کیا تھا کہ مرید کی اصلاح کرنے میں اس کے گناہوں کی وجہ سے کوئی تکلیف بھی شیخ کو ہوتی ہے، فرمایا کہ جتنی والدہ کو اپنے بچے کی نجاست صاف کرنے میں (یعنی تکلیف کے باوجود محبت میں کمی نہیں آتی بلکہ یہ کام کر کے خوشی ہوتی ہے)

اس مضمون کو حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے خوب تفصیل سے بیان فرمایا ہے، یہاں کلید مثنوی سے صرف مفید مطلب عبارت مختصر طور پر نقل کرتا ہوں، فرماتے ہیں کہ اے نجاساتِ نفسانیہ میں مبتلا! حوض یعنی شیخ کے پاس جا اور اس کی پاکی سے منتفع ہو کر نجاساتِ نفسانیہ سے پاک ہو، کیونکہ جب تک آدمی حوض سے باہر رہتا ہے پاک نہیں ہوتا بلکہ اگر پاک بھی حوض سے یوں دور ہو جائے کہ اس کے پاس کبھی پھٹکے بھی نہیں تو وہ بھی اپنی پاکی سے دور ہو جاتا ہے۔ (کیوں کہ اس کی پاکی محدود اور زائل ہونے کے خطرہ میں ہوتی ہے) آگے مولانا تن آلودہ کو فرماتے ہیں کہ تجھ کو اپنی آلودگی کے باعث حوض کے اندر گھسنے سے شرم نہ چاہیے اس لیے کہ پانی آلودہ سے کہتا ہے کہ میرے اندر آ، آلودۂ نجاست نے کہا کہ مجھے

شرم آتی ہے کہ پانی صاف و شفاف اور میں نجس اور گندا ہوں میں کیا منہ لے کر اس سے ملوں، پانی نے جواب دیا کہ یہ شرم میرے بدون نہیں جا سکتی اور میرے بغیر یہ نجاست دور نہیں ہو سکتی پس تجھ کو مجھ سے احتراز نہ چاہیے۔

یہ سب حقائق و معارف تو ٹھیک ہیں اور عارفین حضرات و شعراء نے بہت بلیغ طور پر امید افزاء باتیں کہی ہیں مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کی لرزہ خیز منصوص وعیدیں جو اوپر گذر چکی ہیں ان کے مقابلہ میں یہ باتیں اور حکایتیں کیا کام دیں گی؟

مشکل کا آسان حل

عرض ہے کہ اس مشکل کا حل جو کرنا چاہے تو وہ بھی قرآن و حدیث سے منصوص ہے جو آسان ہی نہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی خوشی اور راحت کا سبب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و توجہات کے انوار و برکات کے حصول کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے نہایت عنایات کا ذریعہ ہے کہ اس حل کے ساتھ اللہ تعالیٰ بندے کو اسی گندی حالت میں اپنا محبوب بنا لیتے ہیں اس میں نہ کوئی مال خرچ ہوتا ہے نہ کوئی جسمانی مشقت ہے صرف دو منٹ بلکہ چند لمحوں کا کام ہے۔ البتہ بعض وقت نفس کے خلاف پڑتا ہے، جو کوئی اپنے مالک کی بندگی اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے مقابلہ میں اپنے نفس کو معبود سمجھے، اس کے لیے مشکل ہے، اس کو بے شک زیارت اور حاضری سے نقصان ہو گا۔

وہ حل یہ ہے کہ داڑھی منڈانے اور جملہ ظاہری و باطنی تمام گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے چھوٹے ہوں یا بڑے اور تعداد میں چاہے لاکھوں

کروڑوں سے بڑھ کر ہوں اور سچائی سے عہد کرے کہ انشاءاللہ آئندہ خلافِ شریعت کوئی بات نہیں کروں گا، یعنی سب خلافِ شریعت باتیں چھوڑ دی ہیں اور داڑھی بھی اسی وقت سے رکھ لی ہے۔ اے اللہ گذشتہ اپنی تمام نافرمانیوں کو معاف کر دے بس اسی کو توبہ کرنا کہتے ہیں اور یہ ایک منٹ کا کام ہے، زبان کی بھی ضرورت نہیں دل ہی میں گذشتہ پر ندامت اور آئندہ چھوڑنے کا ارادہ کر لینا ہی کافی ہے، اس میں ایک منٹ بھی خرچ نہیں ہوتا۔ اگرچہ کبھی کبھی باقاعدہ دو نفل توبہ کی نیت سے پڑھ کر باقاعدہ طور پر اچھی طرح بھی توبہ کر لیا کرے تو سارے ہی گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور آدمی ایسا ہو جاتا ہے جیسے اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں، کیونکہ حدیثِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے: اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اُس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ اب اگر کوئی بہت ہی بڑا گنہگار خیال کرے کہ میرے اتنے بڑے بڑے سارے گناہ اتنی سی بات سے کیسے بخشے جائیں گے، تو اس کو سوچنا چاہیئے کہ کفر کے مقابلہ میں گناہ تو کوئی چیز ہی نہیں، سنو! سو سال کا کفر بھی ایک دفعہ (صدقِ دل سے) کلمہ پڑھ لینے سے معاف ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ ساری گذشتہ زندگی کے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں، جس ذاتِ پاک نے گناہ معاف کرنے ہیں اُس نے اپنے کلامِ پاک میں ہم لوگوں کے لیے اعلان فرما دیا: يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورۂ زمر)

(ترجمہ) اے میرے بندو جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو، بالیقین خدا تعالیٰ تمام (گذشتہ) گناہوں کو معاف فرما دے گا، واقعی وہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

بار بار گناہ کرنا اور بار بار توبہ کرنا

اس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے ہی گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں' احادیث میں ہے کہ گناہ چاہے سمندر کی جھاگوں کے برابر ہوں چاہے ریت کے ذرّات کے برابر ہوں سب ایک دم معاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ودود ہے یعنی محبت کرنے والا۔ رحیم۔ ہے یعنی بے حد رحم کرنے والا، تواب ہے یعنی بار بار توبہ قبول کرنے والا، غفور ہے یعنی بہت بخشنے والا ہے۔ اللہ پاک کی ساری صفات لا انتہا ہی ہیں، بندوں کے اعمال کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں محض لاشئے ہیں۔ اب کوئی کہے کہ گناہ کرنا تو انسان کی طبیعت میں ہے وہ سارے ایک دم کیسے چھوٹ سکتے ہیں، تو عرض ہے کہ گناہ چھٹنے کا نہیں عرض کیا جا رہا بلکہ بس ندامت کے ساتھ گذشتہ سے معافی اور آئندہ کے لیے چھوڑنے کا ارادہ کرنے کا حکم ہے، اور یہ بہت آسان ہے اور بندہ کا اختیاری کام ہے۔ اب اگر اپنی کمزوری نفس کی شرارت سے دوبارہ گناہ ہو جائے یا جس بات کے چھوڑنے کا ارادہ کیا اُس پر عمل نہ ہو سکے تو پہلی توبہ کے اثر یعنی گناہ کے ختم ہو جانے اور اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں آتی، چاہے ایک ہی روز سو دفعہ یہی معاملہ پیش آئے یعنی بار بار گناہ کرے اور بار بار توبہ کرتا رہے تو اس توبہ کو جھوٹی توبہ نہیں کہا جائے گا کیونکہ سچ بولنا تو اپنے اختیار کی چیز ہے جب بھی توبہ کرے سچی کرے اور پھر جب گناہ ہو جائے گا یا گناہ چھوڑنے کا جو ارادہ کیا تھا اس پر عمل نہیں ہوگا تو یہ شمار میں دوسرا فعل ہوگا، اس سے پہلی توبہ کے عمل کا اجر ضائع نہیں ہوگا، اب توبہ کرے گا تو یہ ایک نیا عمل ہو گا۔ اس کے متعلق بخاری شریف اور مسلم شریف میں ایک حدیث ہے: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا

"اللہ کے کسی بندے نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ سے عرض کیا کہ اے میرے مالک! مجھ سے گناہ ہوگیا مجھے معاف فرمادے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہوں پر پکڑ بھی سکتا ہے اور معاف بھی کرسکتا ہے، میں نے اپنے بندے کا گناہ بخش دیا اور اس کو معاف کردیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہ سے رکا رہا، اور پھر کسی وقت گناہ کر بیٹھا اور پھر اللہ سے عرض کیا میرے مالک! مجھ سے گناہ ہوگیا تو اس کو بخش دے اور معاف فرمادے، تو اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہ و قصور معاف بھی کرسکتا ہے اور پکڑ بھی سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف کردیا۔ اس کے بعد جب تک اللہ نے چاہا وہ بندہ گناہوں سے رکا رہا اور کسی وقت پھر کوئی گناہ کر بیٹھا اور پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے مالک و مولیٰ! مجھ سے اور گناہ ہوگیا تو مجھے معاف فرمادے اور میرا گناہ بخش دے، تو اللہ تعالیٰ نے پھر ارشاد فرمایا کیا میرے بندے کو یقین ہے کہ اس کا کوئی مالک و مولیٰ ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے، میں نے اپنے بندے کو بخش دیا اب جو اس کا جی چاہے کرے۔

(ف) دوسری جگہ یہ مضمون بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری عزت و جلال کی قسم! جب تک بھی یہ بندہ توبہ کرتا رہے گا میں اس کو بخشتا ہی رہوں گا اس کے علاوہ یہ چیز مستقل ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ توبہ کے بغیر بندے کے بعض دوسرے اعمال بھی گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنتے ہیں اور بغیر کسی ذریعہ کے بھی اللہ جس کو چاہتا ہے بخشتا رہتا ہے، اور تواب تو اس کا نام مبارک ہے جس کے معنی ہیں بار بار اور بہت بخشنے والا، اور بار بار توبہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ، یعنی اللہ تعالیٰ بار بار توبہ کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ استغفار کرے پھر اگر دن میں ستر مرتبہ پھر وہی گناہ کرے تو اللہ کے نزدیک وہ گناہ پر اصرار کرنے والوں میں نہیں ہے ؎

وہ بازی خطا کی جناتے رہیں میں ان کے بھروسہ پہ ہارا کروں

اور بعض توبہ کرنے والوں کے لیے تو یہاں تک فرمادیا گیا: أُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتے ہیں۔

ایک طویل مشہور حدیث ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ توبہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ اُس بندہ سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جو فرطِ مسرت میں اپنا ہوش ہی کھو بیٹھا ہو۔ اور بار بار توبہ کرنے والے کے متعلق وَاللَّهُ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ کا اعلان ہو چکا، لہٰذا توبہ کرنے والے بندہ کی حالت چاہے دس منٹ ہی رہی ہو اللہ تعالیٰ کی خوشی و رضا کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ اس بندہ کو محبوب رکھتے ہیں اُس پر رحمت نازل ہوتی ہے، جن کو نزول کا ادراک ہوتا ہے وہ دنیا ہی میں اس پر کرم و رحمت کی بارش دیکھتے ہیں۔

حضرت سید ابوبکر غزنوی نے فرمایا کہ گنہگار جب توبہ کی نیت سے آتا ہے، کے آنے سے اتنی رحمت نازل ہوتی ہے کہ خود ہمارے ذکر کرنے سے اتنی رحمت نازل نہیں ہوتی، اس کی وجہ سے پوری مجلس پر رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ایک بزرگ نے فرمایا کہ جب کوئی نام نہاد متقی مجلس میں آتا ہے تو اس کے عجب و کبر کے تعفن سے مجلس خراب ہو جاتی ہے، توجہ الی اللہ ختم ہو کر دلوں میں ظلمت چھا جاتی ہے۔

توبہ کرنے والا اس وقت مقبول اور ولی اللہ ہوتا ہے، حدیثِ پاک میں ولی اللہ کی علامت یہ فرمائی گئی ہے کہ اُس کو دیکھ کر خدا یاد آجائے۔ چنانچہ عرفات، ملتزم،

اور روضۂ اقدس پر بعض (شریعت کے لحاظ سے) بُری صورت والوں کی شرم کی حالت دیکھ کر اور ان کے ٹوٹے پھوٹے دعائیہ الفاظ سُنکر اللہ کی یاد ایسی آتی ہے اور دل پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ رونا آجاتا ہے۔ اس کے برعکس بعض نپی تلی مکمل متقی صورتوں کی فصیح و بلیغ مسجع دعاؤں کے سُننے سے دل میں غفلت پیدا ہوتی ہے، اگرچہ دماغ کو الفاظ اچھے لگیں، حتیٰ کہ بعضوں کے تو زار زار رونے کا بھی دل پر اثر نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف رافضیوں کی طرح مشاق ہی ہوتے ہیں جبکہ بعض مخلصین جن کو رونا نہیں آتا اور وہ اللہ کے لیے تکلف سے رونی صورت بنائیں، تو اس کا بھی دُوسروں کے دل پر اثر پڑتا ہے۔

اب کوئی توبہ کر کے حبیب شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم (جن کو اللہ تعالےٰ نے رؤف الرحیم فرمایا: وما ارسلناك الا رحمة للعالمين اور جن کے متعلق فرمایا عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ اور جو کریم ذات امت کے گناہوں کی معافی کے لیے تمام رات ایک ہی آیت پڑھتی رہی، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت تھی فرمایا یہ آیت تھی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ) کے دربار میں سلام کے لیے حاضری دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کریم ذات کے لیے جن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے وَاِنَّكَ عَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ دُرود (رحمت خاصہ) کی درخواست کرتا ہے تو وہ کریم آقا اُس کے لیے کتنا استغفار کرے گا، اور اپنے حبیب کے استغفار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا وعدہ ہے: یہ بخشش تو توبہ کر لینے کی وجہ سے پہلے ہی ہو چکی تھی اب توبہ بخشش زیارت کرنے والے کی مزید ترقیات کا باعث ہوگی۔

مندرجہ بالا معاملہ کے متعلق حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے

قصیدہ میں فرماتے ہیں ؎

عجب نہیں تری خاطر سے تیری امت کے　　　گناہ ہو دیں قیامت کو طاعتوں میں شمار

بکیں گے آپ کی امت کے جرم ایسے گراں　　　کہ لاکھوں مغفرتیں کم سے کم پہ ہوں گی نثار

؎ ز آنجا کہ رحمۃ للعالمینی
زمحروماں چرا غافل نشینی

یعنی آپ یقیناً رحمۃ للعالمین ہیں، ہم محروماں نصیبوں اور ناکامانِ قسمت سے آپ کیسے تغافل فرما سکتے ہیں۔

متقی حضرات کے لیے لمحۂ فکریہ

متقی حضرات کو اتنا ہی سوچ لینا کافی ہے کہ ممکن ہے کہ داڑھی منڈا اس طرح توبہ کر کے نادم ہو کر حاضری دیتا ہو جس کا بیان اوپر گذر چکا کہ وہ دن بدن اپنی اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کا محبوب بنتا جا رہا ہو، اس کے گناہ نیکیوں میں بدلتے جا رہے ہوں اور اس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ کرم ہو۔ اس کے متعلق میرا یہ خیال کہ میں اپنے سے اس کو گھٹیا سمجھتا ہوں، یہ خیال اللہ کے نزدیک بہت ہی برا ہے مجھے اللہ سے دور کر رہا ہے ؎

گناہ آئینۂ عفو و رحمت است اے شیخ
مبیں بچشم حقارت گناہگاراں را

اس سوچنے میں یہ شبہ کہ سب داڑھی منڈے تو توبہ والا عمل نہیں کرتے، بہت سے اپنی حالت پر مطمئن بلکہ مغرور ہوتے ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ ندامت تو قلبی حالت ہے جس کا کسی کو یقینی علم نہیں ہو سکتا، مگر اپنے تکبر کا علم تو یقینی ہے لہٰذا اپنے اس یقینی قلبی گناہ کبیرہ کی وجہ سے اپنے کو تو یقینی برا سمجھنا چاہیے اور دوسرے کے برے ہونے کا

تو احتمال ہی ہے۔ محض احتمال کی بنا پر کسی پر کوئی حکم لگانا ناجائز اور خود جرم ہے جس میں یہ متقی بلا وجہ بے لذت مبتلا ہو رہا ہے۔ متقی حضرات کو یہاں ایک اور اشکال بھی ہوتا ہے جو واقعی بڑا اہم ہے کہ بعض داڑھی منڈوں کے دوسرے دینی حالات مثلاً عشق و محبت، اخلاص و سخاوت، رحمدلی وغیرہ اخلاق میں بہت اونچے ہوتے ہیں، لیکن داڑھی منڈانا یا اسی طرح کا کوئی اور گناہ عرصہ تک چھوڑتے ہی نہیں اس حالت کی کیا وجہ ہے؟ اصل وجہ تو اللہ پاک کی مشیت ہے وہ مالک جس کے ساتھ جو چاہے کرے، یہ بھی ہو جاتا ہے کہ کبھی کسی کو عمل کی توفیق ملتی ہے لیکن اس کے عجب کی وجہ سے قبولیت عطا نہیں فرماتا، اور بعض کو ظاہری کسی عمل کی توفیق نہیں دیتے لیکن اس کے کسی باطنی عمل پر اپنے فضل سے اس بندے کو قبول فرمالیتے ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اس گنہگار کو تو اصلاح کی توفیق دے دیں اور تمہاری توفیق سلب ہو جائے۔

کسی اچھے آدمی سے کوئی خاص گناہ نہ چھوٹ سکنے کی ایک وجہ عارفین نے یہ بھی لکھی ہے کہ بعض آدمیوں کو دین کے بعض شعبوں کا تو کمال حاصل ہو جاتا ہے لیکن ان کا نفس امارگی سے باز نہیں آتا۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شارب خمر کے حق میں فرمایا: "الا تری یحب اللہ ورسولہ" پس اس کا دل محبت کے ساتھ موصوف تھا اور اس کا نفس امارگی سے باز نہیں آتا تھا، اس واقعہ کو "نشر الطیب" سے نقل کرتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے کے جرم میں سزا دی، پھر وہ ایک دن حاضر کیا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم سزا کا دیا، ایک شخص نے مجمع میں سے کہا کہ اے اللہ اس پر لعنت کر، کس قدر کثرت سے اس کو (اس مقدمہ میں) لایا جاتا ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر لعنت مت کرو، واللہ میرے علم میں یہ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتا ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔

(ف) اس حدیث سے چند امور ثابت ہوئے: ایک بشارت مذنبین کو کہ اُن سے اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کی نفی نہیں کی گئی، دوسرے تنبیہ مذنبین کو کہ نری محبت سزا سے بچنے میں کام نہ آئی۔ آگے فرماتے ہیں کہ اس سے عظمت ثابت ہوتی ہے اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کی، کہ اس کا ایک شمہ بھی گو مقرون بالمعاصی ہو مانع عن اللعنۃ ہے، تو اس کا کامل اور خالص درجہ کیسا کچھ مؤثر ہوگا۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند
صاف گر باشد ندانم چوں کند

البتہ ظاہر شریعت کی پوری پرواہ نہ کرنے والوں میں ایک طبقہ واقعی جھوٹے عشق اور مغالطے میں پڑے ہوؤں کا ہے، اُن کے اخلاق و محبت و عشق وغیرہ سب غیر معتبر ہیں۔ مثلاً سخاوت خدمت حتیٰ کہ جہاد میں جان قربان کر دینے تک کے اعمال میں محض نفسانیت ہی ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ایسے عالم فقیہ اور سخی اور مجاہد کے بارے میں آیا ہے کہ ان کو زانیوں شرابیوں سے پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ ایسے بہت سے لوگوں سے جو عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشق خدا میں رنگین و خوش کن اور جوش و خروش کے ساتھ بعض اقوال و افعال صادر ہوتے ہیں ان میں ان کے نفس ہی کا ظہور ہوتا ہے اور ان کا عشق گندم خوردنی ہی کا اثر ہوتا ہے مثلاً بعض لوگوں میں نفسانی عشق کا نو مادہ ہوتا ہے لیکن اس کا اظہار بری بری چیزوں کے بجائے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کرتے ہیں، اگر سچی محبت ہوتی تو

محبوب کا اتباع کرتے یا کوتاہی پر ندامت اور توبہ ہی کرتے، لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ کون شخص کس قسم میں داخل ہے بہت مشکل ہے، لہٰذا انسان کو اپنی ہی فکر کرنی چاہیئے دوسرے کسی پر بدظنی کا حق نہیں اگرچہ شریعت کے حکم اور انتظام کے تحت ظاہر شریعت کے پابند کو متقی سمجھا جائے گا (یعنی دوسروں کو ایسا سمجھنا چاہیئے) اور کھلم کھلا نافرمانی کرنے والے کو فاسق کہا جائے گا اور معاملات میں فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوگی، رشتہ کرنے میں اس کو متقی پر ترجیح نہیں دی جائے گی، لیکن کسی کو اپنے سے کم سمجھنے کا حق کسی متقی کو نہیں اور جو نام نہاد متقی ایسے سمجھے وہ خود اللہ پاک کی نظر میں حقیر ہے۔ (تفصیل کے لیے رسالہ "ام الامراض" دیکھیں)

خلاصہ یہ کہ کسی کی قلبی ندامت اور بار بار سچی توبہ کرنا ظاہر کے حال سے یقینی معلوم نہیں ہوسکتا، حدیثِ پاک میں توبہ کرنے والے کو حبیب اللہ یعنی اللہ کا پیارا فرمایا گیا اور اللہ بار بار توبہ کرنے والے کو محبوب رکھتے ہیں، ممکن ہے کوئی ظاہر کا بدحال اللہ کا محبوب بنتا جائے اور ظاہر کا اچھا اس کو اپنے سے حقیر جان کر مبغوض عند اللہ بنتا جائے اور اللہ کی نظرِ رحمت سے گرتا جائے۔

لہٰذا ہر شخص کو چاہیئے کہ اللہ کی رحمت کی وسعت، عفو و کرم کے کمال کی اُمید رکھتے ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمین پر نظر رکھتے ہوئے اور حضور ہی کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے معافی اور توبہ کا طالب بن کر حاضر ہوا کریں۔

گنہگار تو اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے سب ہی ہیں کہ کُلُّکُمْ خَطَّاؤُنَ حدیثِ پاک میں آ گیا لیکن گنہگاروں کی ایک ڈھیٹ قسم بھی ہے ان کے لیے بھی ایک علاج ہے۔

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

کا ارشادِ گرامی

جو خاص میرے ہی لیے فرمایا گیا ہوگا۔ (راقم الحروف)

حضرت کا ایک وعظ "ملّتِ ابراہیم" کے نام سے چھپا ہوا ہے، اس میں کم ہمتوں کے لیے ایک طریقہ علاج تجویز فرمایا ہے، وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، اگر اس پر عمل کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد زندگی میں انقلاب آجائے گا اور گناہ چھوٹنے لگیں گے اور سچی توبہ کی توفیق نصیب ہوگی۔

دو رکعت نفل نماز توبہ کی نیت سے پڑھ کر یہ دعا مانگیں: اے اللہ! میں آپ کا سخت نافرمان بندہ ہوں فرمانبرداری کا ارادہ کرتا ہوں مگر میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا اور آپ کے ارادے سے سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اصلاح ہو جائے مگر ہمت نہیں ہوتی آپ ہی کے اختیار میں ہے میری اصلاح۔ اے اللہ! میں سخت نالائق ہوں سخت گنہگار ہوں میں تو عاجز ہو رہا ہوں آپ میری مدد فرمائیے، میرا قلب ضعیف ہے گناہوں سے بچنے کی قوت نہیں آپ ہی قوت دیجئے، میرے پاس کوئی سامانِ نجات نہیں آپ ہی غیب سے میری نجات کا سامان پیدا کر دیجئے۔ اے اللہ! جو گناہ میں نے اب تک کئے ہوں انہیں اپنی رحمت سے معاف فرمائیے، گو میں یہ نہیں کہتا کہ آئندہ ان گناہوں کو نہ کروں گا میں جانتا ہوں کہ آئندہ پھر کروں گا لیکن پھر معاف کرالوں گا۔

اسی طرح روزانہ اپنے گناہوں کی معافی اور عجز کا اور اپنی اصلاح کی دعا اور اپنی نالائقی کو خوب اپنی زبان سے کہہ لیا کرو، صرف دس منٹ روزانہ یہ کام کر لیا کرو، لو بھائی دوا بھی مت پیو، پرہیز بھی چھوڑو صرف اس نمک کا استعمال سوتے وقت

کر لیا کرو۔

آپ دیکھیں گے کہ کچھ دن بعد انشاء اللہ غیب سے ایسا سامان ہوگا کہ ہمت بھی ہوتی جائے گی، انشان ہیں بڑھ بھی نہ لگے گا، دشواریاں بھی پیش نہ آئیں گی، غیب سے ایسا سامان ہو جائے گا کہ آپ کے ذہن میں بھی نہیں ہے۔

معذرت

ناظرین خیال کریں گے کہ یہ حج و زیارت کے مسائل کی کتاب ہے یا کہ تصوف کی؟ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ یہاں جن کی زیارت کے متعلق ذکر ہو رہا ہے اُن کی زُلفوں کی زنجیر کا ہر حلقہ ایک نیا جنون پیدا کر دیتا ہے، اب ان باتوں کو تشنہ چھوڑ کر **زیارت** کا طریقہ لکھا جاتا ہے۔

ریاض الجنۃ میں تحیۃ المسجد پڑھ کر مواجہ شریف پر حاضری دیں، دیوار سے ۳، ۴ گز کے فاصلہ پر کھڑے ہوں زیادہ قریب نہ ہو کہ ادب کے خلاف ہے اور نگاہ نیچی رہنا چاہیئے، اِدھر اُدھر دیکھنا اس وقت سخت بے ادبی ہے، ہاتھ پاؤں بھی ساکن اور وقار سے رہیں، یہ خیال کرے کہ چہرۂ انور اس وقت میرے سامنے ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میری حاضری کی اطلاع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علو شان اور علو مرتبت کا استحضار پوری طرح سے دل میں ہو اور پشت قبلہ کی طرف کرے، کچھ بائیں طرف کو مائل ہو تاکہ "چہرۂ شریف" کے خوب مواجہ ہو وے اور بادب تمام خشوع کے ساتھ کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو اور دیوار کو ہاتھ نہ لگا وے کہ محل ادب اور ہیبت ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لحد شریف میں قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے لیٹے تصور کرے اور کہے:۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللهِ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيَرَةَ اللّٰهِ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَ وُلْدِ اٰدَمَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اَشْهَدُ اَنَّكَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ فَجَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَازٰى نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ۔ اَللّٰهُمَّ اَعْطِ لِسَيِّدِنَا عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ مُحَمَّدِ نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔ وَاَنْزِلْهُ الْمُنْزَلَ الْمُقَعَّدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ اِنَّكَ سُبْحٰنَكَ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت چاہے کہے یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَاَتَوَسَّلُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ فِيْ اَنْ اَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ۔ اور ان الفاظ میں جس قدر چاہے زیادہ کرے مگر ادب اور عجز کے کلمات ہوں، لیکن سلف یہاں الفاظ مختصر کہتے جہاں تک اختصار ہو مستحسن رکھتے ہیں، اور بہت پکار کر نہ بولے بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے۔ (زبدہ)

حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ سلام کے ساتھ صلوٰۃ کا لفظ بھی پڑھ لیا جاوے تو اچھا ہے یعنی ہر جگہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کی جگہ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ...... الخ

حضرت شیخؒ "فضائل حج" میں فرماتے ہیں کہ مناسک کے رسائل میں سلام کے الفاظ بہت سے نقل کئے گئے ہیں، اس میں سلف کا معمول مختلف رہا ہے بعض

اکابر مختلف عنوان اور مختلف الفاظ کے ساتھ سلام پڑھتے تھے کہ ذوق وشوق کا تقاضا یہی ہے ؎

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب ہیں
واں ایک خامشی تری سب کے جواب ہیں

اور بعض حضرات نہایت مختصر الفاظ میں سلام پڑھتے تھے، ادب وہیبت کا تقاضا یہی ہے ؎

بے زبانی ترجمانِ شوق بے حد ہو تو ہو
ورنہ پیشِ یار کام آتی ہیں تقریریں کہیں

مُلّا علی قاری نے لکھا ہے کہ بعض اکابر جیسے کہ حضرت ابن عمرؓ صرف اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ پر اکتفا کرتے تھے اور بعض حضرات طویل سلام کو اختیار کرتے تھے۔ اور احادیث میں مختلف الفاظ اور مختلف عنوانوں سے درود شریف وارد ہونے سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہٗ نے "زبدہ" میں سلام کے الفاظ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ سلام میں جس قدر چاہے الفاظ زیادہ کرے مگر ادب وعجز کے کلمات ہوں، لیکن سلف یہاں مختصر الفاظ کہنے کو پسند کرتے ہیں اور جہاں تک بھی اختصار ہوسکے مستحسن رکھتے ہیں، اس ناکارہ (حضرت اقدس شیخؒ) کے ناقص خیال میں جو شخص سلام کے الفاظ کا ترجمہ اور مطلب سمجھتا ہو اور ان الفاظ کے بڑھانے سے ذوق میں اضافہ ہوتا ہو اس کو تو تطویل مناسب ہے اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو طوطے کی طرح سے مزورین کے الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں (اسی طرح کتاب سے دیکھ کر پڑھنے کا حال ہے کہ پڑھنے والے کی توجہ کتاب پر رہتی ہے، سامنے کھڑے ہوکر طویل سلام تب ہی اچھا ہے کہ زبانی یاد ہو۔ اقبال) انتہائی ذوق وشوق اور نہایت سکون ووقار سے آہستہ آہستہ

ٹھہرا ٹھہرا کر اَلصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ پڑھتا رہے اور جب تک شوق میں اضافہ پائے انہیں الفاظ کو یا اور کسی سلام کو بار بار پڑھتا رہے (چاہیے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ ستر مرتبہ پڑھ لیا کرے)

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اس دور کا تصور کرو جبکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی جماعت یہاں حاضر تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت کلام کے سننے سے مستفید ہوتے تھے ؎

چمن کے تخت پر جس دم شہِ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا
جب آئے دن خزاں کے کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

اس کے بعد اس پر افسوس اور رنج و غم کرو کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابۂ کرامؓ کی بھی زیارت سے محروم رہ گیا اور دنیا میں تو یہ محرومی ہو گئی آخرت کا حال معلوم نہیں کیا ہو، زیارتِ اقدس شوق سے نصیب ہوتی ہے یا حسرت سے کہ کہیں دربار سے نہ ہٹا دیا جاؤں اور اپنی بداعمالیاں حاضری میں مانع نہ بن جائیں، اس لیے کہ حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ قیامت میں بعض آدمی میرے پاس سے ہٹا دیئے جائیں گے، میں کہوں گا کہ یہ تو میرے ساتھی ہیں، تو جواب ملے گا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا؟ بس اگر تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ کے احترام کی خلاف ورزی کی تو اس سے بے فکر نہ رہو کہ کسی وقت یہ بے راہی تمہارے اور حضور کے درمیان حائل نہ ہو جائے، اور اس کے ساتھ ہی اللہ کی پاک ذات سے امیدیں وابستہ رکھو کہ جب اس نے دنیا میں اتنے دور وطن سے اس دربار کی حاضری کی سعادت نصیب فرمائی تو اس کے لطف و کرم سے بعید نہیں کہ آخرت کی

بابرکت زیارت سے محروم نہ فرمائے گا، حق تعالیٰ شانہٗ اس سعادت سے اس سیہ کار کو بھی نوازدے، آمین یارب العالمین بوسیلۂ نبیک سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

حجاج کرام کا کثیر الوقوع بھاری نقصان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ شیطان کا مقولہ جو قرآن پاک کی سورۂ اعراف میں نقل کیا گیا ہے اس سے مراد خاص طور پر حج کا راستہ ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے :۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِیْمَ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ ۝	شیطان نے کہا بسبب اس کے کہ یا اللہ آپ نے مجھے گمراہ کیا میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان آدمیوں کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر جاکر بیٹھوں گا اور پھر چاروں طرف سے ان پر حملہ کروں گا، آگے سے بھی پیچھے سے بھی، دائیں سے بھی بائیں سے بھی اور ان میں آپ اکثر لوگوں کو شکر گذار نہ پائیں گے۔

حدیث پاک میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ غزوہ بدر کا دن تو مستثنیٰ ہے اس کو چھوڑ کر کوئی دن عرفہ کے دن کے علاوہ ایسا نہیں جس میں شیطان بہت ذلیل ہو رہا ہو، بہت راندہ پھر رہا ہو، بہت حقیر پھر رہا ہو، بہت زیادہ غصہ میں بھر رہا ہو، اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ عرفہ کے دن میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا کثرت سے نازل ہونا، بندوں کے بڑے بڑے گناہوں کا معاف ہونا دیکھتا ہے۔

(ف) شیطان کو اس دن میں جتنا بھی غصہ ہو، جتنا بھی اس پر رنج و ملال کا اثر ہو، جتنا بھی وہ پریشان حال ہو قرین قیاس ہے کیونکہ اس کی عمر بھر کی محنت کہ بڑے

مشقتوں اور محنتوں سے اس نے لوگوں سے گناہ کرائے۔ وہ آج ایک رحمت کے جھونکے میں سب معاف ہوگئے، اس پر جتنا بھی اس کو غصہ اور رنج ہو وہ ظاہر ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ شیطان اپنے شریر لشکر کو اس پر مامور کرتا ہے کہ وہ حاجیوں کے راستہ میں بیٹھ کر ان کو راستہ سے بے راہ کریں۔ (کنز)

پہلے بدامنی کے دور میں حاجیوں کے قافلوں کو ڈاکو لوٹ لیتے تھے جان ومال کا نقصان ہوتا تھا، مدینہ پاک میں صرف تین دن قیام کی اجازت ہوتی تھی، مگر اس وقت وہ حجاج جو بہت مشقتوں سے پہنچتے تھے ان کا سارا مال لٹ جانے کے بعد وہ جس مقصد کے لیے آتے تھے اس میں کامیاب واپس جاتے تھے، اور یہاں جس کمائی کے لیے آتے تھے وہ کمائی بالکل محفوظ اپنے ساتھ واپس لے جاتے تھے۔

اب مال کے ڈاکوؤں کی بجائے شیطان کا زور ان کے سفر کو بیکار کرنا، ان کی نہائی قیمتی چیز جو ان کو ہزاروں روپے خرچ کرنے کے بعد عطا ہوئی اس کو بھی برباد کرتا ہے۔ وہ یہاں کے اوقات ہیں۔ ویسے تو انسان کی ساری زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، لیکن یہاں کے چند روز کے لمحات تو بے حد و حساب قیمتی ہو جاتے ہیں ان میں ہمیشہ کی زندگی کے لیے بہت کچھ کمایا جا سکتا ہے، ان کو کارآمد بنانے کی بجائے ضائع کرنا نعمت کی ناشکری ہے جس پر دنیا و آخرت کا خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اکثر حاجی تمتع کرتے ہیں جس میں عمرہ کرنے کے بعد آٹھ ذوالحجہ تک حج کا کوئی کام نہیں ہوتا احکام حج کے لحاظ سے کئی دن فارغ ملتے ہیں۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں روضہ اقدس کی حاضری کے بعد جتنے دن بھی قیام ہوتا ہے اس میں حج و زیارت سے متعلق کوئی مشغولی نہیں ہوتی، جو لوگ حرم میں چالیس نمازیں پڑھنے کی فضیلت کی وجہ سے اہتمام کرتے ہیں تو وہ بھی کوئی زائد مشغولی نہیں ہے اتنی ہی نماز ہے جو ساری عمر ہر جگہ ہر روز پڑھی جاتی ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کا ایک مکتوبِ گرامی "نصائح حج" کے نام سے چھپا ہوا ہے۔ اس میں پہلا ہی نمبر یہ ہے کہ وقت کو بہت غنیمت سمجھیں معلوم نہیں دوبارہ یہ سعادت نصیب ہوتی ہے یا نہیں، اوقات کو فضول باتوں میں ہرگز ضائع نہ کریں حضرت کی کتاب "فضائلِ حج" میں بھی بار بار اسی کی تاکید ہے، یہاں ہر ہر سانس ہر ہر منٹ بہت قیمتی ہے، اس کو بازاروں کے جھگڑوں میں اور اِدھر اُدھر کی لغویات اور فضول باتوں میں ہرگز ضائع نہ کریں، مکہ مکرمہ میں جب تک قیام رہے تو اپنی ہمت کے موافق طوافوں کی کثرت رکھیں کہ یہ عبادت بیت اللہ شریف کے ساتھ خاص ہے دنیا میں اور کسی جگہ ادا نہیں کی جاسکتی، باقی وقت کلمہ طیبہ، استغفار اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہنا چاہیئے، کم از کم حرم شریف میں بیٹھ کر کعبۂ مکرمہ کو دیکھتا ہی رہے تو اس کو اپنے وقت کی وصولی ہوتی رہے گی یعنی نیکیاں ملتی رہیں گی، اور بازاروں میں گھومنے سے تو کئی قسم کے گناہوں میں بھی مبتلا ہونا پڑتا ہے، یاد رہے کہ یہ حرم کے گناہ ہوں گے جہاں برائی کا ارادہ کرنے پر بھی پکڑ ہے جبکہ دوسری جگہ بغیر عمل کئے گناہ نہیں لکھا جاتا، اسی طرح مدینہ پاک کے قیام میں درود شریف کی کثرت جتنی ہو سکے اس میں کمی نہ کی جائے کہ یہاں پر درود شریف پڑھا ہوا براہِ راست دربار میں پہنچتا ہے، یہ بات دوسری جگہ پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتی، کمزور آدمی اعتکاف کی نیت کرکے حرم شریف میں خالی ہی بیٹھا رہے تو وہ وہاں کی بے حد و بے حساب برکات حاصل کرے گا۔ اس کے برعکس بازاروں میں گھومنے سے کئی قسم کے گناہ مدینہ پاک کی بے ادبی کا باعث بن جاتے ہیں جس کی بے ادبی مکہ مکرمہ کی بے ادبی سے بھی زیادہ خطرناک ہے جس کی بہت خطرناک وعیدیں ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اتنا خرچ اور خرچ کرکے کوئی حاجی بھی یہاں بازاروں میں گھومنے کے لیے یا یہاں سے یورپ کی بعض سستی چیزیں خریدنے کے لیے سفر نہیں کرتا، سفر کے شروع میں تو اخلاص

اور یہاں کی اصل کمائی ہی کا شوق ہوتا ہے، اگر یہ بات شیطان کو جو کہ قدیم دشمن ہے اس کے ساتھ ایک اندر کا دشمن اپنا نفس دونوں کو کیسے گوارہ ہو، یہ دونوں مل کر حاجی کو اپنا مقصد بھلا دیتے ہیں اور حاجی کی حاصل شدہ مایہ اور بقیہ قیمتی وقت کو ضائع کرا دیتے ہیں، لہٰذا اپنے اس نقصان سے ہوشیار رہنے کی بہت ضرورت ہے۔ ہر شخص کی حالت ہر وقت یکساں نہیں رہتی، ساتھیوں میں ایک دوسرے کو مقصد کی طرف متوجہ کرتے رہنا چاہیئے تاکہ "نیکی برباد گناہ لازم" کا معاملہ نہ ہو جائے، اللہ ہی توفیق دینے والا ہے، اسی لیے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کا ارشاد پہلے بھی لکھا کہ "بہتر تو یہ ہوتا کہ کچھ دنوں پوری ہمت اور محنت کے ساتھ اذکار وغیرہ کر لینے کے بعد حج ہوتا اور زیارت کی مقدس نعمت حاصل کی جاتی تاکہ دونوں کی حقیقت سے اتصال کی نوبت آتی۔ ——— جہاں تک ہو سکے غفلت کو راہ نہ دیجیے اور ذکر میں مشغول رہیے۔"

حج وزیارت کی اجازت

عام طور پر مدینہ پاک کا سفر مبارک پہلے یا بعد حج کے سفر کے ساتھ ہی ہوتا ہے، اور بعض پر زیارت کا شوق حج سے بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن بلند سے بلند جذبات اور اعلیٰ سے اعلیٰ شوق وہی معتبر ہے جو محبوب کی منشاء کے تحت ہو، بعض لوگ سفر کی شرائط کو نظر انداز کرکے حاضری دیتے ہیں جس میں بسا اوقات کسی کی حق تلفی اور دیگر گناہوں کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے اس طرح کی حاضری سے صرف شوق ہی پورا ہوتا ہے لیکن زیارت کا اصل فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ "بن بلائے مہمان" کا سا معاملہ ہے، جیسا کہ حج کی شرائط میں پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔ حج کی شرائط کا زیادہ تعلق لمبا سفر کرنے اور اخراجات کے ہی متعلق ہے، لہٰذا ان میں سے سفر کرنے کی شرائط اور شرعی موانع کے مسائل کو ملحوظ رکھنا جب فرض حج میں ضروری ہے تو زیارت میں یا کسی بھی دوسرے ثواب کے کام میں بدرجۂ اولیٰ ان کا لحاظ ہونا چاہیئے۔

اعلیٰحضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اگرچہ کوچۂ جاناں میں آ کر کے سر مارا
نہ دیکھا یار کو[1] گھر بار کو دیکھا تو کیا دیکھا

سچی محبت تو یہ ہے ؎

أُرِيْدُ وِصَالَهٗ وَيُرِيْدُ هِجْرِىْ
فَاَتْرُكُ مَا اُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ

یعنی ؎ میری دوری پسند ان کو ہے دوستو
اب تو دوری سے بڑھ کر حضوری نہیں

---

[1] یعنی رضاءِ دوست کا خیال کرنا۔

فہرست مضامین

لہٰذا سفر سے پہلے اس سفر کی شرائط میں ضوابط اور شرعی مسائل کو معلوم کر لینا چاہیے جن کی تفصیل شرائطِ حج کے ذیل میں حصہ دوم میں درج ہے، ان احکام کی بجا آوری میں سچے عاشق اور مومن کی اطاعت و انقیاد کا امتحان اور مظاہرہ ہوتا ہے ورنہ خالی عاشقانہ صورت و کیفیت کا کچھ اعتبار نہیں، عشقِ حقیقی کے معنی ہی کمال واحتیاط سے اطاعت کرنے کے ہیں، محبِ محبوب کا مطیع ہوتا ہے ورنہ تو اس کی محبت ایک قسم کے نفسانی جذبات ہی ہوتے ہیں، یہ محبت ایمانی محبت نہیں ہوتی کیونکہ جن لوگوں میں سچی محبت ہوتی ہے اُن کے لیے سب مناسک اور احکام پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے، ضابطے اور قوانین یعنی محبوب کے احکام اور منشاء اُن کی روح کی غذا اور اُن کے درد کی دوا ہوتے ہیں، چاہے اُن کے ظاہری حال میں اچھل کود اور شوریدگی نہ پائی جاتی ہو، البتہ بعض کی پوری توجہ محبت کی اندرونی کیفیت کے بغیر ضابطوں ہی پر ہوتی ہے وہ حقیقتِ حج و زیارت سے پورا حصہ نہیں پاتے گو فرض ادا کر لیتے ہیں اور اُن کو نافرمانی کا گناہ بھی نہیں ہوتا یعنی حج کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے اور زیارت کا ثواب مل جاتا ہے لیکن محبت جو حج و زیارت کی رُوح ہے وہ بغیر اطاعتِ محبوب معتبر نہیں اور اطاعت بلا محبت جسدِ بے روح ہے، احکام میں ظاہر و باطن کا یہ ربط کاملین کی محبت اور اُن کی نگرانی میں باقاعدہ رہ کر اپنا تزکیہ کرائے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے استاذ و مرشد تاج المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ کا سفرِ زیارت

موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ چھوڑ دوں تو......

پہلا سفرِ حج ۱۲۹۳ھ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنیؒ جبکہ آپ کی عمر شریف چوبیس سال کی تھی اور غیر مستطیع ہونے کی وجہ سے حج فرض بھی نہ تھا لیکن سفر

کرنے میں اور کوئی شرعی امر مانع نہ تھا حضرت پر حرمین الشریفین کا شوق و جوش سوار ہوا اپنی ملازمت کی چند ماہ کی تنخواہ پیشگی لی اور اپنے مرشد (حضرت گنگوہیؒ) اور والدین سے اجازت لے کر تنہا سفر کو روانہ ہو گئے، حضرت شیخ اس سفر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

● ——— "مکہ مکرمہ پہنچ کر سید الطائفہ اعلیحضرت کی خدمت میں پہنچے، اور اس عالی دربار کا تو پوچھنا ہی کیا کہ انوارِ باطنیہ سے لطف اندوز ہو گئے، یہ حضرت کا پہلا حج تھا، حج سے فراغت کے بعد مدینہ پاک حاضری ہوئی، مدینہ پاک کا راستہ اس وقت بہت خطرناک تھا، بڑی قتل و غارتگری ہو رہی تھی، اس بنا پر اعلیحضرتؒ نے آپ کا عندیہ دریافت کرنے کے لیے فرمایا کہ "مولوی خلیل احمد کہو کیا ارادہ ہے، سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں امن نہیں اس لیے حجاج بکثرت واپس جا رہے ہیں"۔ حضرتؒ نے جواباً فرمایا اور عجیب ہی عاشقانہ جوابِ دیا "کہ حضرت میرا قصد تو مدینہ طیبہ کا پختہ ہے کیونکہ موت کے لیے جو وقت مقدر و مقرر ہو چکا وہ کہیں بھی نہیں ٹل سکتا اور اس راستہ میں آجائے تو زہے نصیب، کہ مسلمان کو اور چاہیئے کیا، اللہ کا فضل ہے کہ اس نے یہاں تک پہنچا دیا اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ طیبہ کا سفر چھوڑ دوں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون ہو گا"، یہ جواب سنکر حضرت کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، اور فرمایا بس تمہارے لیے یہی راستے ہے کہ ضرور جاؤ اور انشاء اللہ پہنچو گے، چنانچہ بڑے اطمینان اور خیر و عافیت سے مدینہ طیبہ پہنچے، تقریباً دو ہفتے قیام فرما کر بخیریت تمام وطن پہنچ گئے"۔

● ——— پھر اگلے سال جب حضرت کے مرشد حضرت گنگوہی اور بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت کے استاد بانی مظاہر علوم مولانا محمد مظہر صاحب، حضرت کے ماموں اور صدر مدرسہ دیوبند مولانا محمد یعقوب صاحب اور مہتمم مدرسہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبان (رحمہم اللہ) اور ان کے ہمراہ صدہا اہل اللہ کا قافلہ حج کے لیے تیار ہوا تو حضرتؒ بھی

تڑپے کہ حزب اللہ کی ہمرکابی نصیب ہو جائے، مگر حضرت کے مرشد امام ربانی نے آپ کو اجازت نہ دی اس لیے آپ راضی برضا ہو کر بیٹھ رہے۔

خلوصِ نیّت

لہٰذا مسائل کی رُو سے جن کو سفر کی ممانعت ہو اُن کے لیے سفر کرنا محض نفسانی خواہش کو پورا کرنا ہے، اور جن پر حج فرض نہیں یا سفر کرنا مناسب نہیں اُن حضرات کو پہلے اپنا تزکیہ کرانے میں مشغول ہونا زیادہ ضروری ہے تاکہ اُن کو ہر حال میں رضائے الٰہی حاصل رہے، اُن کے سارے اعمال بارُوح اور وزنی ہوں اور ضائع ہونے سے محفوظ رہیں، کیونکہ ریاء وعجب وغیرہ سے پوری شرائط کے ساتھ ادا کئے ہوئے بڑے بڑے اعمال بھی برباد ہو جاتے ہیں۔

خلوصِ نیّت تو ہر عمل میں شرط ہے (انما الاعمال بالنیات) لیکن قرآن پاک میں جہاں حج کا حکم یا حدیث پاک میں جہاں حج کے فضائل ہیں وہاں لِلّٰہِ یعنی صرف اللہ کیلئے سے نیکی قید کو بھی ظاہر فرمایا گیا، اور حج کی ہر کتاب میں جہاں کسی بزرگ نے حج کے آداب لکھے اخلاص کو ضرور لکھا۔ حالانکہ جیسے پہلے گذر چکا حج کی حقیقت دو منظروں کا نمونہ ہے ایک موت دوسرا اظہارِ عشق۔ ان دونوں منظروں کا لازمی تقاضا خلوص ہے کہ حاجی کی ہیئت اُس کے اقوال، اس کے افعال سے سراسر بندگی، بے چارگی اور عشق و محبت کا اظہار ہوتا ہے، یہ سب کچھ تواضع اور خلوص کی علامتیں ہیں۔ اس کے باوجود چونکہ حج میں مال و جان کی غیر معمولی قربانی دینا پڑتی ہے جس کی ہر کسی کو توفیق نہیں ہوتی اس لیے شیطان کو اسی پہلو سے عمل کو خراب کرانے کا موقع مل جاتا ہے اور وہ مذکورہ اسباب تواضع اور خلوص ہی کو عُجب اور ریا کا ذریعہ بنا کر ساری قربانی کو خاک میں ملا دیتا ہے، اگرچہ شروع میں خلوصِ نیّت ہوتا ہے کہ سارے مسائل مخلصین ہی

کے لیے لکھے جارہے ہیں اور جس احمق کی نیت شروع ہی میں کوئی دوسری ہو اس کو کسی مسئلہ کی ضرورت ہی نہیں۔

اب جاننا چاہیئے کہ خلوص کے کئی درجے ہیں، ادنیٰ درجہ ہر عمل میں شرط ہے، وہ کسی کے حکم اور فضائل کے پیشِ نظر دل میں اللہ کے لیے ہونے کی نیت کرنا ہے، مگر یہ ادنیٰ اور کمزور درجہ اکثر قائم نہیں رہتا، شیطان غفلت میں ڈال کر اس کو ختم کردیتا ہے اس لیے کوشش ہونا چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو خلوص کا اعلیٰ اور مضبوط درجہ حاصل کرے جو کہ کیفیت احسان کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا جس میں اللہ کی یاد اور محبت دل میں ایسی رچ جاتی ہے کہ اس پر شیطان کا وار نہیں چلتا، اور عمل میں رضا اور مقبولیت کی علامت باقی رہتی ہے، اور یہ بات خلوص کی اہمیت کو محض پڑھ لینے اور سن لینے بلکہ مان لینے سے بھی حاصل نہیں ہوتی اس کے حصول کے لیے کچھ وقت نکال کر کسی کامل کی نگرانی میں محنت کرنے پر اللہ کے فضل سے یہ دولت عطا ہوتی ہے۔

عام ترتیب کے لحاظ سے خلوص کا بیان کتاب کے شروع میں ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ اس کو جان لینا کافی نہیں بلکہ وقت نکال کر اس کو سیکھنے کی ضرورت ہے اس لیے حج و زیارت کی اہمیت پیدا ہونے کے بعد لکھا تاکہ عملاً اس کو حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہو۔ لہٰذا حج و زیارت کی تیاری میں جہاں دیگر ضروریات کا انتظام اور مسائل کا علم حاصل کرنا پہلے سے ضروری ہے وہاں اس چیز کو حاضری سے پہلے مقدم کرنا چاہیئے۔ البتہ اگر کسی پر حج فرض ہوجائے تو پھر تاخیر نہ کرے بلکہ کسی کامل سے بیعت ہو کر یا تعلق قائم کرکے مخلصین و محسنین کے گروہ میں نام تو لکھوا تا جائے۔ ان شاء اللہ اتنا بھی مفید ہوگا۔

تنبیہ شرح اللباب میں ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ جو آداب زیارت حجرہ شریف کے لکھے گئے ہیں مستفاد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

حکم سے پس ان کی مخالفت نہ کرنا چاہیئے خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے حاضری کے وقت ممنوع کام کرنا زیادہ بُرا ہے۔ زیارت کے مسائل میں "عمدۃ المناسک" کے مخصوص مسائل جن کی وضاحت عام کتب حج و زیارت میں نہیں ہے اس کتاب کے حصہ دوم سے تا سے درج ہیں۔

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

الحمد للہ آج ۹ صفر ۱۴۰۵ھ شب جمعہ میں حصہ اول ختم ہوا۔
ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔ وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔ وصلى الله على النبي الكريم وعلى اٰله واصحابه اجمعين۔

محمد اقبال
مدینہ منورہ

العبد المذنب: محمد لطیف گیلانی خوشنویس، مقام وڈاکخانہ حضرت کیلیانوالہ براستہ علی پور چٹھہ ضلع گوجرانوالہ (پاکستان) (تاریخ تکمیل کتابت: ۱۵ اپریل ۱۹۸۵ء)

ایمان افروز کتب

نقشِ حیات	۸۰/-	مجالسِ ذکر	۱۵/-
تبلیغی نصاب مکمل	۴۵/-	مسلمان خاوند بیوی	۱۲/-
سیرت محبوبؐ کائنات	۳۶/-	فضائل علم	۱۵/-
آبِ حیات	۳۰/-	وجود باری تعالیٰ پر کائنات کی گواہی	۳۰/-
تقریر بخاری شریف (اردو)	۷۵/-	فتنۂ مودودیت	۱۱/-
فتاویٰ خلیلیہ	۶۶/-	معیار العلماء	۱۵/-
سوانح حضرت شیخ الحدیثؒ	۲۵/-	تاریخ میلاد	۲۰/-
ایرانی انقلاب	۲۰/-	حیاتِ امیرِ شریعت	۴۰/-
سوانح حضرت مولانا محمد یوسفؒ	۴۸/-	انسانیت موت کے دروازے پر	۱۵/-
اسلام کا نظامِ مساجد	۲۵/-	منہاج التبلیغ	۱۶/۵۰
حضرت شیخ الحدیثؒ کی تیس مجالس	۲۰/-	محمد رسول اللہ غیروں کی نظر میں	۳۳/-
فضائلِ حج	۱۵/-	سوانح حضرت مولانا محمد یوسفؒ	۴۸/-
بریلوی ترجمۂ قرآن کا علمی تجزیہ	۱۸/-	تحریک ختم نبوت کا آخری باب	۲۵/-
فضائل درود شریف	۱۲/-	تاریخ مشائخ چشت	۲۰/-
اعمالِ قرآنی	۱۰/-	نظام الفتاویٰ	۳۰/-
قادیانی کیوں مسلمان نہیں	۱۰/-	تقلید امامِ اعظمؒ	۱۸/-
آسان تفسیر پارہ عمّ	۳۰/-	سماع الموتیٰ	۱۸/-
داستانِ یوسفؑ	۱۶/۵۰	نور الایضاح (شرح اردو)	۲۴/-

ملنے کا پتہ { عمران اکیڈمی ◎ ۴۰/بی اردو بازار لاہور ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

العُمْدۃ شرح الزُّبْدۃ

حضرت اقدس صوفی **محمد اقبال** صاحب (مدنی)

معاونت خصوصی برائے ترتیب وکمپوزنگ
حضرت جناب **آفتاب احمد** (مدینہ منورہ)

ترتیب وکمپوٹر کمپوزنگ: محمد نور باری

مکتبہ اقبالیہ

نور حراء پبلیشرز

ای میل: noorbari786@gmail.com

فون: 0092-312-2502281

۱۰ شعبان المعظم ۱۴۴۳